عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں

انور خاں

مکتبہ پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ ۲۵

عرب دیسوں
کی
عوامی کہانیاں

تالیف
انور خاں

مکتبہ پیامِ تعلیم۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

Arab Deshon Ki Awaami Kahaniyan
Rs. 25/-

تقسیم کار:

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025
Email:maktabajamiadelhi@gmail.com

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔110006
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔202002
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی۔400003

مئی2013ء　　تعداد:1000　　قیمت:-/25روپے

نیو پرنٹ سینٹر، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی۔۲ میں طبع ہوئی۔

فہرست

صدف، سمر اور فہیم

کے نام

عورت جس کا نام فیرنی تھا

ایک عورت تھی ۔ اس کا نام تھا کنفیوشہ ایک بار ایک درویش اس کے گھر کے سامنے سے گزرا ۔ وہ ایک بڑی تسبیح گلے میں پہنے ہوئے تھا ۔ کافی موٹا تازہ ۔ کنفیوشہ اسے دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور اس سے پوچھ "تم کیا بیچتے ہو؟"۔

"نام"، اس نے جواب دیا ۔

"نام؟"، کنفیوشہ نے کہا ۔

"ہاں میں نام بیچتا ہوں"۔

"ایک نام کے کتنے پیسے لیتے ہو"، کنفیوشہ نے پوچھا ۔

"پانچ سو دینار"، اس نے کہا

کنفیوشہ کی کُل بچت اتنی ہی تھی ۔ اس نے گھر سے پانچ سو دینار لے کر درویش کو دیے ۔ اس نے کہا "آج سے تمھارا نام فیرنی ہوگا"۔

شام میں کنفیوشہ کا شوہر گھر آیا ۔ اس نے کنفیوشہ کو آواز دی "کنفیوشہ! کنفیوشہ! باہر گاڑی کھڑی ہے ۔ سامان اُتار لو"۔

کنفیوشہ نے کوئی جواب نہیں دیا ۔

اس نے پھر کنفیوشہ کو آواز دی۔
جواب ندارد
"کیا بات ہے کنفیوشہ"، اس نے کہا "تم جواب کیوں نہیں دیتیں"۔
"میرا نام فیرنی ہے"۔ کنفیوشہ نے کہا۔
"فیرنی!"
"ہاں فیرنی"، کنفیوشہ نے کہا۔
"یہ نام تمھیں کس نے دیا" شوہر نے پوچھا۔
"ایک فقیر نے"، کنفیوشہ نے جواب دیا" ایک فقیر یہاں سے گزر را تھا۔ وہ نام بیچ رہا تھا۔ میں نے اس سے پانچ سو دینار میں یہ نام خرید لیا"۔
"پانچ سو دینار میں!"، کنفیوشہ کے شوہر نے حیرت سے پوچھا"۔
کنفیوشہ نے سر کے اشارے سے ہاں کہا۔
کنفیوشہ کے شوہر کو بہت غصہ آیا۔ اس نے اپنا کوٹ پہنا اور کنفیوشہ سے کہا۔
"میں جا رہا ہوں" اور اس وقت تک گھر واپس نہیں آؤں گا جب تک مجھے تم سے زیادہ کوئی بے وقوف عورت نہیں مل جاتی۔
وہ گھر سے نکلا اور بہت دنوں تک گھومتا رہا۔ جب بھی کوئی فقیر اُسے ملتا وہ اس سے پوچھتا تم نام فروش تو نہیں ہو۔ وہ جواب دیتا "نہیں"۔
ایک دن وہ سڑک پر جا رہا تھا۔ اسے ایک عورت ملی۔ عورت نے اس سے پوچھا "کہاں سے آرہے ہو"۔
"جہنم سے"، اس نے جواب دیا۔
"وہاں تم نے میرے باپ کو دیکھا تھا"، عورت نے پوچھا۔
"ہاں دیکھا تھا" اس نے جواب دیا۔

"کس حال میں ہے "۔

"بہت بُرے حال میں "۔

"کیا تم واپس جا رہے ہو ؟" عورت نے پوچھا۔

"ہاں" اس نے جواب دیا۔

"کچھ تحفے لے جاؤ گے میرے باپ کے لیے" عورت نے کہا۔

"کیوں نہیں "۔

عورت اسے گھر لے گئی ۔ اسے کچھ مکھّن ، کچھ پیسے اور اپنے شوہر کا ایک کوٹ دیا۔ اس نے بڑے اطمینان سے سب چیزوں کی گٹھری بنائی اور چل پڑا۔

اس عورت کا شوہر جب گھر آیا تو کھانے کے بعد اس کا جی چاہا کہ قہوہ کھانے جاکر دوستوں میں غپ شپ کرے ۔ اس نے عورت سے کہا کہ وہ اس کا کوٹ نکال دے۔

عورت نے کہا وہ تو میں نے ایک شخص کو دے دیا۔

آدمی نے حیرت سے پوچھا "کیوں "

وہ شخص کہہ رہا تھا میں جہنّم سے آیا ہوں ۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہاں اس نے میرے باپ کو دیکھا تھا۔ اس نے جواب دیا ہاں۔ وہاں وہ بہت بُری حالت میں ہے ۔ اس لیے میں نے اسے کچھ مکھّن ، کچھ پیسے اور تمھارا کوٹ دے دیا کہ میرے باپ کو دے دے۔

"باپ رے" اس آدمی نے کہا" وہ کس طرف سے گیا ؟ "

عورت نے اشارہ کیا اور وہ فوراً باہر دوڑا ، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسی راستے پر چل پڑا۔ کئی گھنٹوں کے بعد ایک شخص اسے ملا۔ وہ دراصل کنفیوشہ کا شوہر ہی تھا۔ اس نے اسے دیکھ کر گٹھری دیوار کے ایک سوراخ میں چھپا دی اور اس سے ٹیک لگا کر انجان بن کر

کھڑا ہو گیا۔

وہ آدمی کنفیوشہ کے شوہر کے قریب آیا اور اس سے پوچھا۔

" بھائی تم نے کسی شخص کو مکھن اور کوٹ لے جاتے دیکھا ہے "

"جی ہاں" کنفیوشہ کے شوہر نے جواب دیا۔

" بہت دور تو نہیں گیا ہو گا " اس آدمی نے پوچھا۔ کیا میں اسے پکڑ سکتا ہوں ؟"

"جی ہاں ؛ اگر آپ گھوڑے سے اتر کر پیدل چلیں "

" وہ کیوں "

" اس لیے کہ گھوڑے کی چار ٹانگیں ہوتی ہیں اور آدمی کی دو ٹانگیں: دو ٹانگیں ایک دوسرے سے فوراً ہم آہنگ ہو جاتی ہیں مگر چار ٹانگوں کو وقت لگتا ہے۔ جب تک چار ٹانگیں ایک دوسرے سے تال میل پیدا کریں گی۔ وہ شخص بہت دور نکل چکا ہو گا "

" کیا تم میرا یہ گھوڑا سنبھال لو گے۔ جب تک کہ میں واپس آؤں " اس آدمی نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔

کیوں نہیں " اس آدمی نے جواب دیا۔

جیسے ہی وہ آدمی نظروں سے اوجھل ہوا۔ کنفیوشہ کا شوہر گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے نکلا اور گھر پہنچا۔ گھر پہنچتے ہی اس نے باہر سے آواز لگائی:

فیرنی میں آگیا

(فلسطین کی لوک کتھا)

داروغہ کا کوٹ

ایک شخص شہر کے باہر گھوم رہا تھا۔ اس نے دیکھا داروغۂ شہر ایک درخت کے نیچے سو رہا ہے۔ شراب کی بوتل اس کی بغل میں دبی ہوئی تھی۔ اور منہ سے شراب کی بو آرہی تھی۔ داروغہ خرّاٹے لے رہا تھا۔ اس نے بڑے اطمینان سے داروغہ کی نئی اونی قبا اتاری اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ شراب کے نشے اور نیند میں اسے پتا ہی نہ چلا۔

جب داروغہ کی آنکھ کھلی اور شراب کا نشہ اترا تو اس نے دیکھا کہ اس کی نئی قبا غائب ہے۔ وہ گھر واپس آئے اور اپنے ملازموں سے کہا کہ میری قبا چوری ہو گئی ہے تم چور کو تلاش کر کے فوراً میرے سامنے پیش کرو۔

داروغہ کے ملازم تلاش میں نکلے اور آخر انھیں وہ آدمی جس نے قبا چرائی تھی مل گیا۔ اسے پکڑ کر وہ داروغہ کے پاس لے آئے داروغہ کو اپنی قبا دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ دیر تک اس پر ہاتھ پھیرتا رہا۔

داروغہ نے اس سے پوچھا کہ یہ قبا اس کے پاس کہاں سے آئی

اس شخص نے جواب دیا کہ جناب میں شہر کے باہر گھوم رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ بے ایمان شراب کے نشے میں دھت پڑا ہوا ہے۔ میں نے اس کے منہ پر تھوکا اور اس کی قبا اتار لی۔ لیکن اگر آپ کا یہ دعوا ہے کہ یہ قبا آپ کی ہے تو آپ اسے بخوشی لے سکتے ہیں۔

داروغہ کو غصّہ تو بہت آیا۔ مگر کیا کرتا۔ اس نے کہا:
او بدبخت، یہ قبا لے جا۔ یہ میری نہیں ہے۔ میں نے اس سے پہلے اسے دیکھا بھی نہیں۔

پھر اس نے اپنے ملازموں سے کہا "اس کم بخت کو باہر نکالو میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔"

اس نے مزے سے قبا لی اور باہر چلا آیا۔

(تیونس کی لوک کہانی)

بوڑھی دلھن

بہت دنوں کی بات ہے۔ ایک بوڑھی عورت اپنی بہن کے ساتھ رہتی تھی۔ دونوں ہی غیر شادی شدہ تھیں اور اتنی بوڑھی تھیں کہ ایک کا بس ایک دانت بچا تھا اور دوسرے کے دو۔ اس لیے لوگ انھیں ایک دانت اور دو دانت کہہ کر پکارتے تھے۔

ایک روز دو دانت نے اپنی بہن ایک دانت سے کہا "آج شہزادہ جمعہ کی نماز پڑھنے یہاں سے گزرے گا۔ میں اس کے سر پر تھوڑا سا پانی انڈیل دوں گی تم چلانا بہن کیا کرتی ہو، ہاتھ منہ دھویا ہوا پانی شہزادے پر گرا رہی ہو، اسے معلوم ہوا تو ضرور سزا دلوائے گا۔"

اس کے بعد دو دانت نے پانی میں گلاب اور یاسمین کا عرق ملایا اور جوہی کی کلیاں اس میں ڈالیں۔ دوپہر کو جب شہزادہ گزر رہا تھا۔ دو دانت نے وہ پانی منصوبے کے مطابق اس پر اُنڈیل دیا۔ ایک دانت نے اپنی بہن کی ہدایت کے مطابق چیخنا شروع کر دیا۔" کہ " ہے ہے بہن یہ کیا کرتی ہو۔ ہاتھ منہ دھویا ہوا پانی شہزادے پر گرا دیا۔ اب اس کی سزا سے خدا ہی ہمیں بچائے۔"

شہزادہ ناراض تو کیا ہوتا وہ سوچنے لگا کہ پتا نہیں وہ لڑکی کس قدر خوبصورت اور نازک ہوگی جو ایسے خوشبودار پانی سے ہاتھ منہ دھوتی ہے۔

جب وہ محل میں آیا تو فوراً اپنی ماں سے ملاقات کی اور اس

سے کہا کہ مسجد کے نزدیک گلی کے موڑ پر جو مکان ہے اس میں ایک خوبصورت دوشیزہ رہتی ہے اور وہ اس سے شادی کا خواہش مند ہے۔

ملکہ نے سنا تو بہت ہنسی۔ اس نے کہا بیٹے جو مکان تم بتا رہے ہو وہاں تو دو بوڑھیاں رہتی ہیں۔ لڑکی تو میں نے وہاں کبھی نہیں دیکھی۔

شہزادے نے اصرار کیا۔ آپ جا کر معلوم تو کریں۔ وہاں ایک لڑکی رہتی ہے۔ اور وہ بہت خوبصورت ہے۔

اگلے روز بیٹے کے اصرار پر ملکہ خود وہاں پہنچی، اُس نے دیکھا کہ ایک دانت اکیلی بیٹھی ہوئی ہے۔

ملکہ نے پوچھا "تمھاری بہن کہاں ہے"

"شادی کے دن تک اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا" ایک دانت نے ملکہ کو جواب دیا۔

" ایک انگلی بھی نہیں؟ " ملکہ نے کہا۔

" بہن!" ایک دانت نے آواز دی " ملکہ عالیہ کے لیے اپنی چھوٹی انگلی تو باہر نکالنا" دو دانت کپڑوں کی الماری میں چھپی ہوئی تھی۔ اس نے ایک سفید چھوٹی سی شمع دروازے کو ذرا سا کھول کر باہر نکالی اور واپس اندر کر لی۔

ملکہ نے سوچا جس کی انگلیاں ایسی نازک اور چنبیلی کے پھول کے مانند سفید اور خوبصورت ہیں وہ خود کتنی خوبصورت ہو گی۔ وہ بہت خوش ہوئی اور زور شور سے شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ملکہ نے بڑے دھوم دھام سے شہزادے کی شادی کی۔ دو دانت کو بیاہ کر محل میں لے آئیں۔

شادی کے بعد شہزادہ دلھن کے کمرے میں داخل ہوا اور اس نے دلھن کے چہرے سے نقاب ہٹائی۔ دو دانت کو دیکھ کر اسے سکتہ ہو گیا۔

"دُلھن کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔
دو دانت نے شرما کر سر جھکا لیا۔
شہزادے کو بہت غصہ آیا۔ اس نے دلھن کو اٹھایا اور کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ وہ قلا بازی کھاتی ہوئی پائیں باغ میں آگری۔
ان دنوں شاہ جن کے لڑکے کا گلا پکا ہوا تھا اور وہ سخت تکلیف میں تھا۔ اس نے بڑھیا کو گرتے دیکھا تو۔ اسے بہت ہنسی آئی۔ وہ ہنستے ہنستے بے حال ہوگیا۔ اس کے گلے میں تکلیف بڑھنے لگی، ہنسی روکنے کی بہت کوشش کی مگر اس کی ہنسی رکے نہیں رکی۔ وہ پیٹ پکڑ کر ہنستا رہا یہاں تک کہ اس کے گلے میں جو مواد پکا ہوا تھا وہ پھٹ کر باہر نکل گیا۔ مواد کے نکلتے ہی اسے آرام ہوگیا۔
اس نے اپنی سات بہنوں سے کہا کہ اس بڑھیا کی وجہ سے مجھے چین ملا۔ اسے فوراً انعام ملنا چاہیے
"خدا کرے اس کے بال میری طرح ہو جائیں،" پہلی بہن نے کہا۔
"اس کا چہرہ میری طرح ہو جائے" دوسری بہن نے کہا۔
"اس کی آنکھیں میری طرح ہو جائیں" تیسری بہن نے کہا
اس طرح چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں بہن نے کہا اور دو دانت کی خوبصورتی کا اب بھلا کون مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس کے سیاہ رات کی طرح کالے اور گھنے اور ٹخنوں تک لمبے تھے۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح جگمگا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی کٹوروں کی مانند تھیں۔
صبح جب شہزادے نے محل کے دریچے سے جھانکا تو اسے دو دانت بیٹھی نظر آئی۔
"کیا تم میری دُلھن ہو،" اس نے پوچھا۔
دو دانت نے شرما کر سر جھکا لیا۔

اب تو شہزادے کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ اسے محل میں لے آیا۔

اگلے روز ایک دانت اس سے ملنے گئی تو اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کیا تم دو دانت نہیں ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں بہن میں دو دانت ہوں" اس نے جواب دیا۔

"پھر تم اتنی خوبصورت کیسے ہو گئیں"

"میں گئی تھی دھنکیے کے پاس۔ اسے میں نے پانچ دینار دیے اور کہا مجھے دُھنک دو۔ مجھے دُھنکا تو میں اس قدر خوبصورت ہو گئی"

اگلے روز ایک دانت دھنکیے کے پاس گئی اور اسے پانچ دینار دے کر کہا مجھے دھنک دو۔ اس نے تاروں کے درمیان ایک دانت رکھ کر جو دھنکا تو اس کی ہڈیاں سرمہ بن گئیں اور وہ مر گئی۔

دو دانت بڑے مزے سے شہزادے کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی۔ اس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

(ملک شام کی عوامی کہانی)

جادوگر لڑکا

ایک تاجر کے اولاد نہیں تھی۔ صبح، دوپہر، شام وہ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ اسے لڑکا عطا کرے۔ آخر خدا نے اس کی دعا سنی اور اس کی مراد پوری ہوئی۔ تاجر بہت خوش ہوا۔ کئی سال گزر گئے ایک دن خدا کی کرنی تاجر کا انتقال ہو گیا۔ لڑکا ابھی چھوٹا تھا۔ تاجر نے جو کچھ پس انداز کیا تھا وہ سال بھر میں ختم ہو گیا۔ لڑکے کی ماں نے اس سے کہا

بیٹا اب تو ہمارے پاس کچھ نہیں بچا۔ بہتر یہی ہو گا کہ تم کچھ کام سیکھ لو
لڑکے نے جواب دیا" جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

ان کے گھر کے قریب ایک جادوگر رہتا تھا۔ لڑکے کی ماں نے سوچا میرا بیٹا یہ کام تو سیکھ ہی سکتا ہے۔ اس نے تاجر کی لائی ہوئی چیزوں میں سے ایک بیش قیمت انگوٹھی لی اور لڑکے کے ساتھ جادوگر کے پاس پہنچی۔

جادوگر انگوٹھی دیکھ کر بہت خوش ہوا اور لڑکے کو جادو سکھلانے پر راضی ہو گیا۔ لڑکے کی ماں اسے جادوگر کے پاس چھوڑ کر چلی آئی۔

جادوگر نے لڑکے کی ماں کے جانے کے بعد اسے ایک بڑے سے کمرے میں بند کر دیا۔ ملازمہ دن میں تین بار اسے کھانا، ناشتا وغیرہ پہنچا دیتی۔ آٹھویں دن جادوگر نے دروازہ کھولا۔ اس کے ہاتھ میں چابک تھا۔

"کچھ سیکھا تم نے" جادوگر نے کہا۔

"آپ نے مجھے کچھ سکھایا ہی نہیں" لڑکے نے جواب دیا "گزشتہ سات دن میں میں نے بس اتنا ہی سیکھا ہے"

جادوگر نے چابک سے لڑکے کو خوب پیٹا اور پھر اسے کمرے میں بند کر دیا۔

جب کمرہ بند ہو گیا تو لڑکے نے سوچا کہ میں بھی کس مصیبت میں پھنس گیا۔ وہ اٹھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ایک گوشہ میں اسے چند کتابیں نظر آئیں۔ لڑکے نے اٹھا کر دیکھا۔ یہ سب جادو کی کتابیں تھیں۔ لڑکا انھیں شوق سے پڑھنے لگا اسے اپنی ماں بہت یاد آتی تھی۔ اس کی خاطر اس نے سوچا میں یہ ساری کتابیں زبانی یاد کر لوں گا۔ کھانے اوقات کے علاوہ تمام وقت وہ کتابیں پڑھتا رہتا۔ ایک ایک کتاب اس نے بار بار پڑھی یہاں تک کہ جادوگر کی ساری ترکیبیں اسے معلوم ہو گئیں۔

آٹھویں دن جب جادوگر کے آنے کا وقت ہوا تو لڑکے نے کتابیں رکھ دیں اور کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور جادوگر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چابک تھا۔

جادوگر نے وہی سوال کیا اور لڑکے نے وہی جواب دیا۔ جادوگر نے جی بھر کر چابک سے لڑکے کی خوب پٹائی کی۔

جادوگر کے گھر میں جو ملازمہ کام کرتی تھی اسے لڑکے پر بہت رحم آیا۔ اس نے لڑکے سے کہا "تم بھاگ کیوں نہیں جاتے۔ جب جادوگر کو معلوم ہوگا کہ تم نے اس کی ترکیبیں سیکھ لی ہیں۔ وہ تمھیں مروا دے گا۔"

"میں کیسے بھاگ سکتا ہوں" لڑکے نے جواب دیا۔ کمرہ تو باہر سے بند ہے۔"

لڑکی نے کہا میں دروازہ کھولے دیتی ہوں تم بھاگ جاؤ۔" اس نے دروازہ کھولا اور لڑکا بھاگ کر اپنی ماں کے پاس آگیا۔ اس نے دیکھا گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں ہے اور ماں بھوکی ہی سوگئی ہے۔ اس نے ماں کو جگایا۔ ماں اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

"بیٹا گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے" اس نے لڑکے سے کہا "رات تمھیں بھوکے ہی سونا پڑے گا۔"

"کوئی بات نہیں ماں" لڑکے نے جواب دیا۔ "صبح تمھیں میرے کمرے کے دروازے پر سلیو کی نسل کے دو شکاری کُتّے ملیں گے۔ تم انھیں وزیر کے ہاتھ بیچ آنا۔ مگر یاد رکھنا پٹا اسے مت دینا۔ ہر حالت میں واپس لے آنا۔"

اگلے روز لڑکے کی ماں کو دروازے پر واقعی دو کُتّے نظر آئے وہ انھیں لے کر وزیر کے پاس پہنچی۔ وزیر کو سلیو کی نسل کے شکاری کُتّے بہت پسند تھے۔ اس نے بڑھیا سے دام پوچھے۔ اس نے کہا آپ جو مناسب سمجھیں۔

وزیر نے اسے ایک ہزار دینار دیے۔ بڑھیا نے کتے کا پٹا کھولا اور خوش خوش گھر واپس آئی۔ پٹا اس نے لڑکے کے کمرے میں پھینک دیا۔ کچھ دیر بعد لڑکا آیا اور پوچھا کتنے دام ملے۔

لڑکے کی ماں نے اسے ہزار دینار دکھائے اور خوشی سے اس کا منہ چوم لیا۔

بہت دنوں تک وہ آرام سے زندگی بسر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پھر پیسے ختم ہونے کو آئے۔ لڑکے کی ماں نے اس سے کہا کہ "بیٹا پیسے ختم ہو رہے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں" لڑکے نے جواب دیا۔ "کل صبح میرے دروازے پر ایک سفید خچر ملے گا۔ تم اسے بازار میں لے جا کر بیچ دینا۔ مگر یاد رکھنا اس کی زین کسی قیمت پر مت دینا۔ ہر حال میں واپس لے آنا

اگلے روز ماں کو لڑکے کے کمرے کے دروازے پر ایک سفید خچر کھڑا نظر آیا۔ اسے لے کر وہ بازار پہنچی اور بولی بولنے والے سے آواز لگانے کے لیے کہا۔ ایک گاہک نے سو درہم لگائے۔ دوسرے نے دو سو۔ رفتہ رفتہ قیمت بڑھتی چلی گئی۔

اب ہم جادوگر کی طرف آتے ہیں۔

جادوگر نے آٹھویں دن دروازہ کھولا تو کمرہ خالی نظر آیا۔ اس چھوکرے کو کوئی ہلکی پھلکی ترکیب ہاتھ لگ گئی شاید۔ اس نے سوچا۔ وہ لڑکے کی تلاش میں نکلا۔ مگر اسے لڑکا نہیں ملا۔ مگر وہ برابر اس کی جستجو میں رہا۔

ایک دن وہ بازار سے گزر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خچر کی بولی لگ رہی ہے۔ خچر بالکل سفید تھا۔ ایک بال بھی کسی دوسرے رنگ نہ تھا۔ نہ ہی خچر میں اسے کوئی عیب نظر آیا۔ یہ ضرور جادو کی

کارستانی ہے ۔ اس نے سوچا۔ اس نے بھی بولی بولنا شروع کی اور سب سے بڑھ کر دام لگائے۔ بڑھیا کو پیسے دیے۔ بڑھیا زین اتارنے لگی تو جادوگر نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"اس زین کے لیے ہی تو میں نے خچر خریدا ہے۔" اس نے کہا۔

بڑھیا. بچاری کیا کرتی۔ واپس چلی آئی۔

ایک دن، دو دن، تین دن لڑکا واپس نہیں آیا۔ کیسے آتا۔ وہ تو سفید خچر کی شکل میں جادوگر کے پاس تھا۔ جادوگر نے اسے ایک معمار کو پتھر ڈھونے کے لیے دے دیا تھا۔ دن بھر وہ پتھر ڈھوتا رہتا۔ جہاں ذرا دم لینے کو رکا اور پیٹھ پر چابک پڑنے لگتے۔

آخر ایک دن خدا کی مرضی ہوئی کہ اسے اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہو۔ بادشاہ کا ہرکارہ منادی کرتا ہوا گزرا کہ کل محل میں بادشاہ کی طرف سے عام دعوت ہے۔ امیر، غریب، آقا، نوکر، تاجر، دکاندار کوئی گھر پر نہ رہے۔ سب سلطان کی دعوت میں شریک ہوں۔

جادوگر نے سفید خچر کو اپنے بیٹے کی حفاظت میں چھوڑا اور خود دعوت میں چلا گیا۔

دوپہر ڈھلی تو جادوگر کا لڑکا خچر کو پانی پلانے کنویں کے پاس لے گیا۔ سفید خچر نے پانی کو چھوا تک نہیں۔ لڑکے نے سوچا شاید زین کی وجہ سے اسے پانی پینے میں رکاوٹ ہو رہی ہے۔ اس نے زین کو کھول دی۔ مگر اسی وقت جادوگر واپس آیا۔ جادوگر لڑکا جو خچر کی شکل میں تھا کنویں میں کود پڑا اور مچھلی بن کر تیرنے لگا۔ جادوگر نے کنویں میں جھانکا تو مچھلی تیرتی نظر آئی۔ وہ جال بن کر کنویں میں کود پڑا۔ لڑکے نے چھری کی شکل اختیار کی اور جال کاٹ کر فاختہ کی شکل میں اڑ گیا۔ اب جادوگر عقاب بن کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔ لڑکا اڑتے ہوئے تیزی سے سلطان

کے محل کی طرف چلا۔

سلطان محل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب لڑکا فاختہ کی شکل میں کمرے میں داخل ہوا اور انار بن کر فرش پر بیٹھ گیا۔ جادوگر بجلی کی سی رفتار سے آیا اور انار میں چونچ مار مار کر اسے توڑ دیا۔ دانے فرش پر بکھر گئے اور پھر سمٹ کر ایک گوشے میں جمع ہو گئے۔ عقاب جس تیزی سے کمرے میں گھسا تھا اس نے سلطان کو ہڑبڑا دیا تھا۔ انھوں نے حیرت سے دیکھا کہ عقاب اب مرغ بن کر انار کے دانے چگ رہا ہے۔ مرغ دانے چگ رہا تھا کہ ایک دانہ جس میں جادو تھا پتھر کی شکل اختیار کر کے اڑا اور مرغ کے سر پر اس قدر زور سے گرا کہ اس کا سر پاش پاش ہو گیا اور وہ مر گیا۔

مرغ کے مرتے ہی جادوگر کا مردہ جسم فرش پر گرا اور لڑکا اپنی اصل شکل میں آگیا۔

سلطان جو حیرت سے یہ سب دیکھ رہے تھے انھوں نے لڑکے سے پوچھا تم آدمی ہو یا جن؟ لڑکے نے سر جھکا کر ادب سے جواب دیا" جہاں پناہ! میں انسان ہوں

پھر لڑکے نے اپنی ساری کہانی سنائی۔

لڑکا خوبصورت، صحت مند، ہوشیار اور جادوگر بھی تھا۔ سلطان نے شہزادی کی شادی اس سے کر دی اور وہ اپنی ماں کے ساتھ محل میں رہنے لگا۔

(مراکش)

بغیر بھیجے کا آدمی
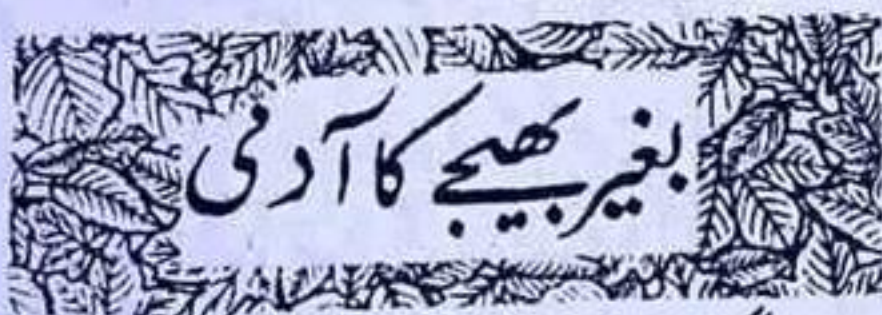
دو لکڑہارے جنگل سے گزر رہے تھے۔ ایک جگہ انھیں شیر کے

پنجوں کے نشان نظر آئے۔
"معلوم ہوتا ہے، شیر یہیں کہیں آس پاس ہے" ایک نے کہا۔
"کیا کریں واپس جائیں؟" دوسرے نے کہا۔
"واپس جائیں گے تو آج کی مزدوری گئی سمجھو" پہلے نے کہا۔
"چلو آگے چلتے ہیں" دوسرے لکڑہارے نے کہا" واپسی پر دیکھا جائے گا"

دونوں آگے بڑھے۔ دیر تک لکڑیاں جمع کرتے رہے۔ جب دونوں کے گٹھر تیار ہو گئے تو انھوں نے واپسی کی ٹھانی۔
پھر وہ اس جگہ پہنچے جہاں انھوں نے شیر کے پنجوں کے نشان دیکھے تھے تو ایک لکڑہارے نے کہا" ایسا کریں راستہ بدل دیں۔ ورنہ شیر سے مڈبھیڑ ہو گئی تو مارے جائیں گے"
دوسرے لکڑہارے نے کہا، نہیں بھائی میں تو اسی راستے سے جاؤں گا۔ دوسرا راستہ پہاڑی پر سے ہے اور اس راستے سے چلے تو گھر پہنچتے پہنچتے شام ہو جائے گی۔
پہلا لکڑہارا دوسرے راستے پر چلا گیا اور دوسرا اسی راستے پر چلتا رہا جس پر شیر کے پنجوں کے نشان ملے تھے۔ ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ اس نے دیکھا کہ شیر رستے میں بیٹھا ہوا ہے۔
"چچا، سلام علیکم" لکڑہارے نے مارے گھبراہٹ کے شیر کو سلام جھاڑا۔
"وعلیکم" شیر غرا کر بولا۔
"چچا، آج آپ ادھر کیسے" لکڑہارے نے شیر سے پوچھا۔
"میری طبیعت ان دنوں ناساز ہے" شیر نے کہا، مجھے انسانی بھیجے کی ضرورت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں بھیج دیا"

"اوہ،، لکڑ ہارے نے کہا "بچا! مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ میرے سر میں دماغ نام کی کوئی شے ہے ہی نہیں" اگر ذرا سا بھی بھیجا ہوتا تو اس راستے سے کیوں واپس آتا۔ بھیجے والا آدمی تو وہاں پہاڑی پر چڑھ رہا ہے"

خدا تمھارا بھلا کرے، شیر نے کہا اور پہاڑی پر چڑھنے لگا۔

(مراکش کی عوامی کہانی)

دوست کی پہچان

ایک مالدار تاجر تھا۔ اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جب وہ پندرہ سال کا ہوا تو اس کی دوستی ایسے لڑکوں سے ہو گئی جنھیں سوائے آوارہ گردی اور مفت خوری کے کچھ کام نہ تھا۔ روز وہ اسے شراب گھر، قمار خانہ وغیرہ پر لے جاتے اور شام تک اس کی اچھی خاصی رقم ضائع کروا دیتے۔

تاجر کچھ دن تک خاموشی سے یہ رنگ ڈھنگ دیکھتا رہا پھر ایک دن اپنے بیٹے سے بولا "بیٹا دوستی کرو تو ایسے لوگوں سے جو اچھے گھر کے ہوں، شریف ہوں، تمھارا بھلا چاہیں۔ تم نے جن آوارہ لڑکوں کے ساتھ دوستی کر رکھی ہے وہ تو میرے بعد تمھیں تباہ کر کے چھوڑ دیں گے۔

بیٹے کو باپ کی بات پر یقین نہیں آیا۔ اس نے کہا "نہیں ابا! مجھے اپنے دوستوں پر پورا بھروسا ہے۔ وہ ہر آزمایش میں پورے اتریں گے"

"ٹھیک ہے،، تاجر نے کہا۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ یہ کس قدر بھروسے کے قابل ہیں۔ تم بازار جا کر ایک بھیڑ لے آؤ۔ کافی بڑی سی بھیڑ اور اپنے بھروسے کے دوستوں کو بھی کھانے پر بلا لو"

لڑکا، بھیڑ لے آیا۔ تاجر نے اسے ذبح کیا اور اس کے خون کے چھینٹے دیواروں پر جا بجا مار دیے۔ پھر بیٹے سے کہا کہ تم کہتے ہو کہ تمہارے بیس معتبر دوست ہیں جن سے زیادہ وفادار کوئی نہیں ہو سکتا۔ میرے تو صرف تین دوست ہیں۔ ایک قریبی دوست، دوسرا جس سے زیادہ قربت تو نہیں اور تیسرا بس ایک واقف کار ہے۔ اب دیکھیں کون زیادہ خوش قسمت ہے۔ تم یا میں۔

سورج غروب ہونے کے بعد لڑکے کے دوست آئے تو تاجر انھیں اسی کمرے میں لے گیا جہاں دیواروں پر خون کے چھینٹے تھے۔ ان سے کہا "خدا تمھاری عمر دراز کرے۔ ابھی کچھ دیر پہلے میرا لڑکا ایک آدمی کو لے کر آیا تھا۔ اس سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور ہاتھا پائی میں وہ مارا گیا۔ تم میرے لڑکے کے وفادار دوست ہو۔ اسے تم پر بہت بھروسا تھا۔ کیا تم اس آدمی کی لاش دریا میں ڈال آؤ گے؟

سب لڑکوں نے انکار کیا اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے جا کر کوتوال کو خبر کر دی۔

ادھر تاجر نے ملازمہ سے گھی، بادام اور پستے منگوائے۔ بھیڑ کو خوب اچھی طرح بھونا۔ اس کے پیٹ میں چاول اور میوے بھر کر خوب اچھی طرح سے پکایا اور سوہن روغنی روٹیوں میں اسے ایسا لپیٹا کہ معلوم ہو کہ کوئی آدمی ہے۔ اس پر سفید کپڑا ڈال دیا۔

ابھی اس کا کام مکمل ہوا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

تاجر نے دروازہ کھولا۔ کوتوال سو سپاہیوں کے ساتھ موجود۔

"لاش کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

تاجر نے بھیڑ کی طرف اشارہ کیا جو دور سے لاش معلوم ہوتی تھی۔ کوتوال نے دیواروں پر خون کے چھینٹے دیکھے لاش کو اپنے قبضہ میں کیا

اور تاجر کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال اسے کھینچتے ہوئے لے چلے۔
راہ میں تاجر کا واقف کار ملا۔ تاجر کے ہاتھوں میں ہتھکڑی دیکھ کر وہ دوڑا ہوا آیا اور پوچھا کیا بات ہے۔
سپاہیوں نے کہا: "اس شخص نے ایک آدمی کا خون کر دیا ہے۔ اب یہ پھانسی پائے گا۔"
اس شخص نے کہا: "میرا جتنا بھی مال ہے اس کا چوتھا حصہ میں آپ کو دیتا ہوں۔ آپ اسے چھوڑ دیجیے۔
کوتوال نے انکار کیا۔ "قانون قانون ہے اس نے کہا۔ قانون میں مداخلت نہیں ہو سکتی۔"
آگے بڑھے تو دوسرا شخص ملا' تاجر سے اس کی معمولی دوستی تھی۔ اس نے کوتوال سے کہا۔ آپ میری نصف جائداد لے لیجیے اور اسے چھوڑ دیجیے۔
کوتوال نے اسے بھی وہی جواب دیا کہ قانون قانون ہے۔ اس میں مداخلت نہیں ہو سکتی۔
تاجر کا بہترین دوست ایک دکان دار تھا۔ اس نے تاجر کو اس حال میں دیکھا تو مارے غم کے سر کے بال نوچنے لگا۔ دکان کی چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ اس نے سپاہیوں سے کہا:
"اسے کیوں لے جا رہے ہو۔ اس کا کیا قصور ہے۔"
"اس نے ایک شخص کا خون کر دیا ہے۔" انھوں نے کہا۔ "اب پھانسی پائے گا۔" نہیں
"نہیں نہیں قتل تو میں نے کیا ہے۔" اس نے کہا، "آپ اسے چھوڑ دیجیے۔"
"لاش ہمیں اس شخص کے گھر ملی ہے۔" کوتوال نے کہا۔

"وہ لاش میں نے ہی وہاں پھنکوائی تھی۔" دکان دار نے کہا۔

"ٹھیک ہے،" کوتوال نے کہا "اسے کھول دو اور دکان دار کو لے چلو۔"

جب تاجر کو کھول دیا گیا تو اس نے کوتوال سے کہا "حضور جلدی کیا ہے۔ آپ ایک نظر لاش کو بھی دیکھ لیں کہ کس کی لاش ہے۔"

"ٹھیک ہے،" کوتوال نے کہا۔

وہ واپس ہوئے۔ جب انھوں نے کپڑا ہٹایا تو دیکھا کہ روغنی پتلی روٹیوں میں لپٹی ایک بھیڑ ہے جسے گھی میں پکایا گیا ہے اور اس کے پیٹ میں چاول اور میوہ جات بھرے ہیں۔

"یہ تو دعوت کا معاملہ معلوم ہوتا ہے، قتل کا نہیں،" کوتوال نے کہا۔

اب تاجر نے کوتوال کو راز کی بات بتائی۔ کوتوال نے تاجر کے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ اپنے دوستوں کو بلا لائے۔ جب وہ آئے تو کوتوال نے انھیں ان کی بے وفائی پر بہت ڈانٹا اور تاجر کی دانش مندی کی تعریف کی۔

اس کے بعد وہ لڑکا کبھی غلط صحبت میں نہیں پڑا۔ اسے کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہو گئی تھی۔

(ملک شام کی عوامی کہانی)

بال بال بچے

پہاڑ کے دامن میں ایک بکرا گھاس چر رہا تھا۔ دوپہر کو جب سورج سر پر آگیا تو اس نے سوچا اب کچھ دیر آرام کرنا چاہیے۔ وہ ایک غار میں گھس گیا کہ دھوپ کی شدّت ختم ہونے تک ستالے۔ وہاں اس نے شیر کو بیٹھے دیکھا تو اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"کیا چاہتے ہو؟" شیر نے غراتے ہوئے اس سے پوچھا۔
بکرے نے ایک لمحے کے لیے نظر جما کر اس کو دیکھا پھر جان کی خیر مناتے ہوئے بولا "میں ملک الموت ہوں۔ خدا نے مجھے سات شیروں سات بھیڑیوں اور سات شکاری کتوں کی جان لینے کے لیے بھیجا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ تمھارے جسم کے نشانات ان شیروں سے ملتے ہیں یا نہیں جن کی جان لینے کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے۔ لیکن تم اطمینان رکھو۔ تم ان میں سے نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ مڑا اور باہر چلا گیا۔

شیر کی جان تو ویسے ہی آدھی ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد جب بھیڑیے سے اس کی ملاقات ہوئی۔ تو بھیڑیے نے دریافت کیا "عالی جاہ! خیر تو ہے۔ بنصیب دشمناں طبیعت کچھ ناساز معلوم ہوتی ہے۔"
شیر نے کہا ابھی ابھی میری ملاقات ملک الموت سے ہوئی جسے خدا نے سات شیروں، سات بھیڑیوں اور سات شکاری کتوں کی جان لینے کے لیے بھیجا تھا۔
"کیسا تھا وہ فرشتہ۔" بھیڑیے نے پوچھا۔
"بالکل سیاہ، شیر نے کہا۔ لمبی داڑھی، گھنے گندھے ہوئے بال، پہاڑی بکرے جیسا لگتا تھا۔"
بھیڑیا ہنسا۔
"پھر تو عالی جاہ! آپ کو اس کا گوشت چکھنا چاہیے تھا۔ تاکہ معلوم ہوتا کہ فرشتے کا گوشت کس قدر لذیذ ہوتا ہے۔" بھیڑیے نے کہا۔ "آئیے اسے تلاش کریں۔"
دونوں بکرے کی تلاش میں چلے اور کچھ دیر بعد وہ انھیں ایک جگہ نظر آگیا۔

"اب تو بیٹا تم جان سے گئے" بکرے نے خود سے کہا۔ اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔

ادھر بھیڑیا اور شیر اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب وہ بالکل نزدیک آ گئے تو بکرے نے بھیڑیے سے کہا "بے وقوف! اس شیر کو لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اسے میں پہلے دیکھ چکا ہوں۔ میں نے اسے لانے کے لیے کب کہا تھا"

شیر نے بکرے کی بات سنی تو بھیڑیے پر جھپٹا مارا اور اس زور سے کہ اس کی ہڈیاں چور ہو گئیں۔ بھیڑیے کو مار کر وہ اپنے ٹھکانے لوٹ گیا۔

بکرا جان کی خیر مناتا اپنے ساتھیوں میں واپس آ گیا۔

(مراکش کی لوک کہانی)

"برابری کا مقابلہ"

ایک بار لومڑی نے کوّے کی دعوت کی۔ اس نے اونٹنی کا دودھ لے کر اسے خوب جوش دیا۔ پھر اس میں آٹا ڈال کر بڑی لذیذ کھیر بنائی۔

کوّا دعوت کھانے کے لیے آیا تو لومڑی نے ایک سپاٹ چٹان پر کھیر پھیلا دی اور اس سے کہا "خوش آمدید، برادر! مجھے مسرّت ہے کہ تم نے میری دعوت قبول کی۔ خدا تمھیں اچھی صحت دے اور تمھاری عمر دراز کرے۔ کھانا شروع کرو"

کوّے نے بہت کوشش کی مگر چٹان اتنی سپاٹ اور کھیر اس قدر پتلی کہ کوّا اپنی چونچ سے ٹھیک سے چکھ بھی نہ سکا۔ ادھر لومڑی ساری کھیر بڑے آرام سے اپنی لمبی زبان سے چاٹ چاٹ کر کھا گئی۔ یہاں تک

چٹان بالکل صاف ہو گئی۔

تو یہ تھی دعوت لومڑی کی۔ کوّے نے سوچا۔ لیکن وہ کیا کسی سے کم تھا۔ اس نے لومڑی سے کہا۔ بی لومڑی! کھیر تو تم نے واقعی بہت لذیذ بنائی اگرچہ میں کچھ زیادہ نہ کھا سکا۔ کل تم ہماری دعوت میں آؤ۔ ہم تمھیں لذیذ میٹھی کھجوریں کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ایسی کھجوریں تم نے کبھی کھائی نہ ہو گی۔

میٹھی کھجوروں کا نام سن کر لومڑی کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے فوراً ہامی بھرلی۔ کھجوریں اسے بہت پسند تھیں مگر کم ہی ہاتھ لگتی تھیں۔ کیوں کر پکّی کھجوریں اوپری شاخوں پر ہوتی تھیں جہاں تک اس کی پہنچ نہ تھی۔

اگلے روز لومڑی کوّے کے گھر پہنچی۔ وہ اڑتا ہوا اسے ایک گھنی جھاڑی کے پاس لے گیا۔ جس کے چاروں طرف کانٹے ہی کانٹے تھے۔ اور بیچ میں کھجور کا درخت۔ کھجوریں پکی ہوئی اور دیکھنے میں ہی بہت میٹھی معلوم ہو رہی تھیں۔ لومڑی کا جی خوش ہو گیا۔ کوّے نے چن چن کر بہت ساری میٹھی کھجوریں گرائیں اور لومڑی سے کہا "بی بی آج جی بھر کر کھاؤ۔ طبیعت سیر ہو جائے۔ ایسی کھجوریں پھر نہ ملیں گی۔ اس پورے علاقے میں اتنی میٹھی کھجوریں کہیں نہیں۔"

کھجوریں، لومڑی کے سامنے تھیں مگر درمیان میں کانٹے دار جھاڑی تھی۔ اس نے کئی بار جھاڑی میں گھسنے کی کوشش کی، پنجے مارے۔ جھاڑی کے گرد چکّر لگائے کہ کہیں سے اندر گھسنے کا موقع مل جائے مگر بے سود۔ اس کا سارا جسم زخمی ہو گیا۔ اور پنجے بھی۔ ادھر کوّا بڑے مزے سے کھجوریں توڑ توڑ کر گراتا رہا اور کھاتا رہا۔

اس دن لومڑی نے بھی مان لیا کہ کوّا بھی کچھ کم چالاک نہیں۔

(مصر کی لوک کہانی)

چالاک لڑکی

ایک تاجر نے اپنی دکان پر ایک بورڈ لگا رکھا تھا جس پر لکھا تھا مرد کی عقل عورت کی چالاکی پر غالب آجاتی ہے۔ ایک روز ایک لہار کی لڑکی بازار سے گزر رہی تھی۔ اس کی نظر اس بورڈ پر پڑی۔ اسے بہت غصّہ آیا اس نے سوچا اس تاجر کو سبق سکھانا چاہیے۔

اگلی صبح وہ خوب بن سنور کر، اپنی بہترین پوشاک پہن کر تاجر کی دکان پر پہنچی۔

"السّلام علیکم، اس نے کہا۔

"وعلیکم السلام، تاجر نے جواب دیا۔

لڑکی اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

تاجر کو بہت تعجّب ہوا۔

'کیا ہوا بی بی کیوں رو رہی ہو؟ تاجر نے پوچھا 'کیا چاہیے تمھیں' مجھ سے کہو۔ میں دلا دوں "

لڑکی روتی رہی۔

بھئی کیوں روتی ہو؟ تاجر نے کہا' میں نے کہا نا تمھیں جو چاہیے مل جائے گا مگر تم کہو تو کہ تمھیں کیا چاہیے؟

'کاش یہ ممکن ہوتا، لڑکی نے کہا۔ پھر تاجر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور پوچھا "آپ کو میری آنکھوں میں کوئی خرابی نظر آتی ہے؟"

"بالکل نہیں" تاجر نے کہا۔

"میرے بازوؤں میں" اس نے اپنے سڈول بازو دکھائے۔

"تمہارے بازو تو بالکل شیشے کے مانند ہیں۔ سفید جگمگاتے ہوئے "، تاجر نے کہا۔

لڑکی نے روتے ہوئے اپنے پیروں کی طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر ان میں کوئی عیب ہوگا"

"نہیں تو۔ تمہارے پیر تو بڑے خوبصورت ہیں"

لڑکی نے اپنے سر سے رومال ہٹایا اور لمبے لمبے بالوں کو لہرا کر چھوڑا تو وہ ٹخنوں تک آنے لگے۔" شاید میرے بال اچھے نہیں"

"تمہارے بال تو ریشم سے زیادہ ملائم ہیں"

لڑکی نے کہا میں داروغہ کی لڑکی ہوں۔ جب بھی کوئی پیغام آتا ہے تو وہ کہتا ہے میری بیٹی بھینگی ہے، لولی ہے، لنگڑی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے ایسی لڑکی سے کون شادی کرے گا۔

تاجر نے کہا تم فکر نہ کرو کل میں خود داروغہ کے پاس جاکر پیغام دوں گا"

اگلے روز صبح صبح تاجر خوب بن ٹھن کر داروغہ سے ملنے پہنچ گیا۔ داروغہ نے اسے دیوان خانے میں بٹھایا اور خاطر تواضع کی۔ رسمی خیر و عافیت کی باتوں کے بعد وہ مطلب پر آیا۔

داروغہ نے کہا "میری بیٹی! میری تو کوئی بیٹی نہیں"

"نہیں جناب"، تاجر نے کہا" مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ کی ایک لڑکی ہے اور وہ شادی کے لائق بھی ہے"

"لیکن میاں وہ تو بھینگی ہے"

"مجھے منظور ہے"

"لنگڑی بھی"

"مجھے منظور ہے"

" لولی ہے "
" کوئی بات نہیں "
" آپ کو دس ہزار دینار دینے پڑیں گے "
تاجر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر لڑکی کی خوبصورتی کا خیال آیا اور اس نے کہا مجھے منظور ہے۔
نکاح ہوا۔ دعوتیں ہوئیں۔ اب دلہن کو دولہا کے گھر آنا تھا۔ تاجر دلہن کی رخصت کا انتظار کرنے لگا۔ بڑی دیر بعد ایک مزدور آیا اور ایک بڑی سی گٹھری ڈال گیا۔ تاجر نے سوچا شاید اس میں دلہن کے کپڑے ہیں۔ پھر خیال آیا۔ کھول کر دیکھوں تو سہی۔ اس نے گٹھری کھولی تو اس میں ایک لڑکی بیٹھی نظر آئی۔ بھینگی، لولی، لنگڑی۔ اب تو وہ بہت چکرایا۔ اس نے پوچھا تم کون ہو۔ لڑکی نے جواب دیا " تمہاری دلہن "
اب تاجر سمجھا کہ وہ لڑکی اسے بے وقوف بنا گئی۔
اگلے روز لہار کی لڑکی وہاں سے گزری تو دونوں ہاتھ سر میں دیے وہ دکان پر بیٹھا ہے۔
" صبح بخیر " لڑکی نے کہا۔
" شیطان کی خالہ " اس نے لڑکی سے کہا " میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا "
لڑکی نے سائن بورڈ کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا " اب آپ کا کیا خیال ہے " کون زیادہ چالاک ہے "
" تو تم نے اسی لیے بدلہ لیا؟ " تاجر نے پوچھا۔
" اگر تم میری مدد چاہتے ہو تو اس بورڈ کو اتار دو " لڑکی نے کہا۔

تاجر نے فوراً بورڈ کو اتارا اور اس پر سنہری حرفوں سے لکھوایا۔

"عورتوں کی چالاکی کے آگے مرد مات کھا جاتے ہیں"

اگلے روز لڑکی نے بورڈ دیکھا تو بہت خوش ہوئی۔ اس نے کہا اب میں تمھیں اس مصیبت سے نجات دلاتی ہوں جس میں تم پھنس گئے ہو۔ اس نے تاجر سے کہا کہ شہر کے باہر خانہ بدوشوں کے خیمے لگے ہوئے ہیں انھیں رات میں کھانے پر بلالو۔ اور کہو خوب گائیں بجائیں اور تمھیں چچا کہیں۔ داروغہ کو بھی دعوت دو۔ جب داروغہ پوچھے تو ٹھنڈی آہ بھر کر کہنا کہ آدمی اپنی اصلیت چھپا نہیں سکتا۔ میں دراصل اسی قبیلے سے ہوں اب خدا نے مجھے چار پیسے دیے ہیں۔ تو انھیں کیسے بھول جاؤں۔ داروغہ ضرور طلاق کے لیے کہے گا۔

تاجر نے وہی کہا جو لڑکی نے کہا تھا۔ داروغہ بیٹھا ہوا تھا کہ خانہ بدوش گاتے بجاتے آئے۔ اور چچا چچا کہہ کر تاجر سے پلٹنے، مصافحے کرنے لگے۔

داروغہ نے تاجر سے پوچھا "جناب یہ کیا ہے"

تاجر نے کہا کہ یہ میرے رشتہ دار ہیں۔ دراصل میں بھی خانہ بدوش ہوں۔ اب خدا نے مجھ پر فضل کیا ہے تو میں انھیں بھی یاد رکھتا ہوں اور سال میں کم از کم دو بار ان کی دعوت کرتا ہوں۔

داروغہ کو بہت غصہ آیا۔ اس نے تاجر سے کہا تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تم خانہ بدوشوں میں سے ہو۔ لاحول ولا قوۃ، میری لڑکی اور خانہ بدوشوں میں جائے۔ تم ابھی لڑکی کو طلاق دو۔

"جناب یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" تاجر نے کہا "اسی رشتے سے تو میری عزت افزائی ہے"

اس نے کہا شادی پر جو کچھ خرچ ہوا ہے میں ادا دینے کے لیے تیار

ہوں۔

تاجر راضی نہ ہوا۔

"اچھا دُہری رقم لے لو" داروغہ نے تاجر سے کہا۔

اب تاجر نے ہامی بھری۔ اور لڑکی کو طلاق دے دی۔

اگلے روز وہ لہار کے گھر پہنچا۔ اور شادی کی تجویز رکھی مگر اس شرط پر کہ میں پہلے لڑکی دیکھوں گا۔

لہار نے کہا "جناب ایسی شرط کیوں۔ ہمارے یہاں یہ چلن نہیں"

تاجر نے کہا" میں بے دیکھے شادی نہیں کر سکتا۔ چاہو تو مجھ سے دُہری رقم لے لو"

لہار کی برادری کا ایک اور شخص قریب ہی بیٹھا تھا اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہماری لڑکی کوئی لولی لنگڑی تھوڑے ہی ہے جو ہم لڑکی دکھانے سے گھبرائیں"

لہار نے لڑکی کو آواز دی۔

تاجر نے دیکھا یہ وہی لڑکی ہے۔ وہ اسے دیکھ کر ہنسنے لگی۔

تاجر نے اس لڑکی سے شادی کرلی اور دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ (ملک شام سے)

"لکڑ ہارے کی بہن"
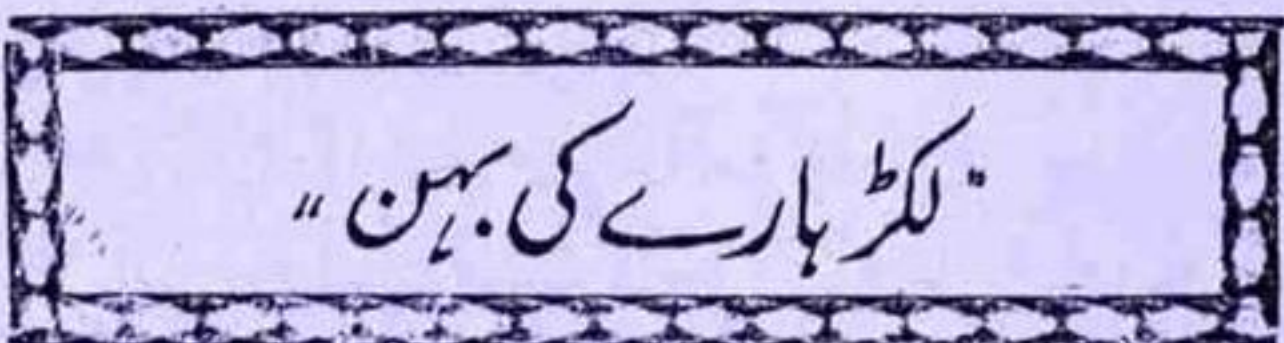
پہاڑ کے دامن میں ایک لکڑ ہارا رہتا تھا۔ اس کے دس بچے تھے۔ ہر روز تڑکے وہ گھر سے نکل جاتا۔ دن بھر لکڑیاں کاٹتا۔ انھیں بازار میں فروخت کرتا۔ شام پڑے گھر آتا تو بچے بھوکے انتظار کر رہے

ہوتے۔ دن بھر کی محنت کے بعد بس اتنا مل جاتا تھا کہ روکھی سوکھی کھا لیتے۔
لکڑ ہارا غریب تو تھا ہی، اس کے پاس دماغ بھی کم تھا۔
جس پہاڑ سے وہ لکڑیاں لایا کرتا تھا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ وہاں کا جنگل قریب قریب ختم ہو گیا تو وہ دوسرے پہاڑ پر چلا گیا۔ شام میں جب وہ لکڑیاں اکٹھا کر کے گھر لوٹ رہا تھا تو راستے میں اسے ایک خوش لباس موٹی عورت ملی۔ اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے۔
"تم اپنی بہن کو نہیں پہچانتے۔ اس عورت نے کہا" کتنے دن ہو گئے میں ہمیشہ سوچتی ہوں۔ تم آج آؤ گے، کل آؤ گے۔ مگر تم ایسے سنگ دل کہ خبر ہی نہیں لیتے"
"میری تو کوئی بہن نہیں" لکڑ ہارے نے کہا۔
"کیا زمانہ آگیا ہے" موٹی عورت نے کہا" لوگ بہن کو بہن ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن بھائی میں تم سے کچھ مانگ تھوڑے ہی رہی ہوں۔ میں تو چاہتی ہوں کہ تمھیں اس روز روز کی محنت سے نجات ملے۔ میرے پاس خدا کا دیا اتنا کچھ ہے مگر کوئی کھانے والا نہیں۔ تم اپنے بیوی بچوں کو لے کر تم میرے گھر کیوں نہیں آجاتے۔ میری دولت تمھارے بال بچوں کے کام نہیں آئے گی تو کس کے کام آئے گی"
"واقعی؟" لکڑ ہارے نے پوچھا۔
"اور نہیں تو کیا۔ آؤ میں تمھیں اپنا گھر دکھا دوں" عورت نے کہا۔
وہ لکڑ ہارے کو اپنے گھر لے گئی۔ اس کا شاندار گھر دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ گیہوں کی بوریاں ڈھیر ساری رکھی تھیں۔ مکھن، پنیر اور زیتون کے تیل کے اتنے ڈبے کہ زندگی بھر ختم نہ ہوں۔ عورت نے ایک بھیڑ کا بچّہ کاٹا۔ اس کا گوشت بھون کر لکڑ ہارے کو کھلایا۔ گوشت تو اس نے

شاید بچپن میں کبھی کھایا ہو گا۔ وہ کھانے پر ندیدوں کی طرح ٹوٹ پڑا۔
لکڑ ہارے نے سوچا واقعی اتنی خاطر ایک بہن ہی کر سکتی ہے۔ کتنا شاندار گھر ہے۔ یہاں رہنے میں واقعی مزہ آئے گا اور یہ روز روز کی محنت سے بھی نجات مل جائے گی۔ کھانا کھا کر وہ دوڑتا ہوا اپنی بیوی کے پاس گیا کہ اسے یہ خوش خبری سنائے۔ مگر اس کی بیوی کو یقین نہیں آیا۔

"اگر تمھاری کوئی بہن ہوتی تو کیا مجھے پتا نہ ہوتا؟" بیوی نے کہا۔

"اگر وہ میری بہن نہ ہوتی تو اپنے ساتھ رہنے کے لیے کیوں کہتی" لکڑ ہارے نے کہا۔

اس کی بیوی نے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر لکڑ ہارے نے ایک نہ سنی۔ بھیڑ کے گوشت کا ذائقہ کام کر رہا تھا، دس بچے، بیوی اور ایک مرکھنی گائے کے ساتھ وہ اس عورت کے گھر پہنچا۔

ہینا بھر ان کی زندگی ایسی گزری جیسے جنّت میں ہوں۔ شاندار کھانا پینا عمدہ بستر، اور دن بھر آرام۔ لکڑ ہارا دل سے دعائیں کرتا کہ خدا کرے زندگی کے باقی دن بھی اسی طرح گزر جائیں۔ بچے پھول کر کپّا ہو گئے۔ ان کے چہروں پر رونق آ گئی، بیوی جوان سی نظر آنے لگی۔

ایک دن جب وہ سب سو رہے تھے موٹی عورت ان کے کمرے میں آئی اس نے سب پر نظر ڈالی اور بولی "میرا سارا اناج مکھن تو تم لوگ چٹ کر گئے مگر اب تم لوگ خوب تندرست ہو گئے ہو۔ جسم پر گوشت چڑھ گیا ہے۔ خوب چربی جمع ہو گئی ہے۔ اب مزہ آئے گا کھانے میں۔

در اصل وہ عورت غول بیابانی تھی۔ جس کی غذا ہی انسانی گوشت ہے۔ اس نے ایک بچّے کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اسے چٹ کر جائے مگر تب ہی لکڑ ہارے کی گائے نے جو دروازے سے بندھی تھی اسے دھمکایا کہ میری دم چابک سے کم نہیں اور اپنے سینگوں سے میں تمھیں چیر کر رکھ دوں گی۔

وہ واپس چلی گئی۔ اگلے روز بھی اسی طرح ہوا۔ تیسرے روز گائے نے دروازے کو ٹھوکر لگائی۔ اور لکڑ ہارے کی بیوی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے موٹی عورت کو کہتے سنا کہ میرا سارا اناج اور مکھن تو تم لوگ چٹ کر گئے مگر اب تم لوگ خوب تندرست ہو گئے ہو۔ اب مزہ آئے گا تمھیں کھانے میں۔ اس نے گائے کا جواب بھی سنا۔ اپنے شوہر کو جگانے کی کوشش کی مگر وہ بہت گہری نیند سو رہا تھا۔

صبح جب اس نے لکڑ ہارے سے کہا تو اس نے کہا کہ در اصل تم نے کوئی بُرا خواب دیکھا ہو گا۔ اب تو محنت کے خیال سے ہی لکڑ ہارا کانپ جاتا تھا۔

دوپہر کو وہ موٹی عورت آئی اور بولی "میرا دل آج گائے کا گوشت کھانے کو ہو رہا ہے۔ تمھیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

بھلا لکڑ ہارے کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے گائے کو کاٹا اور بیوی سے گوشت پکانے کو کہا۔ بیوی بچاری کیا کرتی۔ اس نے گوشت پکایا اور لذیذ گوشت رکابی میں رکھ کر اپنی بڑی لڑکی کو دیا جا کر موٹی عورت کو دے آئے۔ لڑکی کمرے میں گئی اور باہر سے جھانکا۔ اتفاق سے اس وقت وہ اپنے اصلی روپ میں تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک بہت ہی بد صورت سیاہ رنگ کی عورت جس کی ہڈیاں نکلی ہوئی ہیں بال بکھرے ہیں اور آنکھیں شعلوں کی طرح سرخ ہیں بیٹھی ہے۔ کمرے میں جگہ جگہ مردہ انسانوں کے پنجر لٹک رہے ہیں۔ لڑکی گھبرائی تو بہت مگر خاموشی سے دبے پاؤں لوٹ آئی۔ زینے پر آکر وہ جلدی میں لڑکھڑائی اور سارا سالن الٹ گیا۔ ماں نے بہت ڈانٹا مگر جب ماں کو جو کچھ دیکھا تھا بتایا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے لکڑ ہارے سے کہا۔ مگر وہ الٹا اس پر گرم ہونے لگا۔ "کیا بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔" اس نے کہا۔ "ایسا آرام

بھی بھلا کوئی چھوڑ سکتا ہے۔ خدا نے جو نعمتیں عطا کی ہیں اس کا شکر ادا کرو
اور الٹی سیدھی باتیں دل میں مت لاؤ۔"

اگلی رات دروازے میں گائے تو تھی نہیں۔ لکڑ ہارے کی عورت جاگتی رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے موٹی عورت کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ وہی بات کہہ رہی تھی "میرا سارا اناج اور مکھن تو تم لوگ کھا گئے مگر اب مزہ آئے گا تم کو کھانے میں۔"

"بہن کیا چاہیے تمھیں،" لکڑ ہارے کی بیوی نے آواز دی۔

"کچھ نہیں۔" میں تو بچوں کو لحاف اڑھا رہی تھی کہ کہیں سردی نہ لگ جائے۔"
وہ واپس گئی۔ اگلے روز لکڑ ہارے کی بیوی نے بچوں کو گوشت کا سوپ بنا کر دیا۔ بچوں نے خوب مزے لے کر پیا۔ کچھ کپڑوں پر گرایا۔ ہاتھ منہ سب چکنے ہو گئے۔ اس نے موٹی عورت سے کہا کہ میں بچوں کو لے کر وادی میں جا رہی ہوں۔ بچوں کے کپڑے بھی دھو ڈالوں گی اور انھیں نہلا بھی دوں گی۔

وہ بچوں کو لے کر وادی میں پہنچی۔ وہاں اس نے لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی کچھ چیتھڑے اس طرح لٹکائے کہ ہوا میں جھولتے رہیں۔ اس کے بعد اس نے خدا سے دعا مانگی کہ یا اللہ تو میرے اور میرے بچوں کی حفاظت کر۔ اب تیرا ہی آسرا ہے۔ اس کے بعد وہ بچوں کو لے کر اپنے گھر کی طرف بھاگی۔ بھاگتے بھاگتے اس کا سانس پھول گیا۔ کئی بار بچے گرے بھی۔ کسی کے گھٹنے چھلے۔ کسی کے ٹخنوں میں چوٹ لگی۔ مگر ہانپتے کانپتے بالآخر وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔

موٹی عورت اپنے گھر سے دھواں اٹھتے اور کپڑے لہراتے دیکھتی رہی اب تک وہ کپڑے دھو رہی ہے۔ اس نے سوچا۔ لیکن جب سورج ڈھلنے لگا اور وہ نہیں لوٹی تو اسے تشویش ہوئی۔ وہ وادی میں آئی یہ دیکھنے کے

لیے کہ کیا ماجرا ہے۔ وہاں جب اس نے کسی کو نہ دیکھا تو مارے صدمے کے چیخ پڑی۔ کبھی یہاں بھاگتی کبھی وہاں۔ کبھی مکان کے اندر آتی۔ کبھی چھت پر۔ بار بار وہ سینے پر دو ہتڑ مارتی اور بین کرتی۔ ہائے میں نے اتنا کھلایا سارا گھر خالی کر دیا۔ میں نے بے کار انھیں اتنا موٹا کیا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ میں پہلے ہی سب کو کھا جاتی۔

لکڑ ہارا انگور کی بیل کے نیچے خوب کھا پی کر مزے سے سو رہا تھا۔ چیخ پکار اور رونے دھونے سے آنکھ کھل گئی۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ کس آفت میں ہے۔ اس نے سوچا وہ ضرور اسے تلاش کرے گی۔ وہ پتّوں کے ڈھیر میں گھس گیا

وہ سینہ کوٹتی، بین کرتی، چیختی چلاتی دوڑ رہی تھی۔ کبھی چھت پر جاتی، کبھی آنگن میں، کبھی اناج کی کوٹھری میں۔ لکڑ ہارا اسے کہیں نظر نہیں آیا۔ ایک بار دوڑتے دوڑتے وہ پتّوں پر آگئی اور اس کے پیر لکڑ ہارے کے پیٹ پر پڑے۔ اس کے منہ سے آہ، کی آواز نکلی۔ اب وہ سمجھ گئی کہ لکڑ ہارا یہیں چھپا ہوا ہے۔ اس نے پتّے ہٹائے۔ لکڑ ہارے کو باہر نکالا اور اسے کھا گئی۔

کاہلی اور کم عقلی کا یہی انجام ہوتا ہے۔ (ملک شام کی لوک کتھا)

عینُ الشّمس سے ملاقات

عربوں میں مستقبل کا حال معلوم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مٹھی بھر ریت لے کر اسے بکھیرتے ہیں اور اس سے جو نقشا بنتا ہے اس کی تعبیر کرتے ہیں۔ ایک مالدار تاجر کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی کو بڑی فکر لاحق

ہوئی کہ اس کی اکلوتی لڑکی کی شادی کس سے ہو گی۔ اسے جیوتش کا یہ طریقہ معلوم تھا۔ اس نے ریت بکھیر کر معلوم کیا تو پتا چلا کہ اس کی لڑکی کی شادی اُن کے غلام سے ہو گی۔ اُس نے لاحول پڑھی اور دوسری بار اسی طرح سے معلوم کیا تو پھر وہی جواب آیا۔ اپنی اتنی پیاری لڑکی کی شادی میں اس کالے غلام سے کیسے کر دوں۔ اس نے سوچا۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔ اس نے غلام کو بلایا اور کہا کہ "تم عین الشمس (سورج کی آنکھ) کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میری مالکہ نے پوچھا ہے کہ ان کی لڑکی کی شادی کس سے ہو گی۔"

"جو حکم" غلام نے کہا۔

غلام کو سفر کا سامان اور کچھ زادِ راہ تیار کر کے دیا گیا اور وہ سفر پر روانہ ہو گیا۔ عین الشمس کہاں رہتا ہے۔ اس کے گھر کون سا راستہ جاتا ہے اسے معلوم نہ تھا مگر وہ بس چلتا رہا۔ چلتے چلتے اسے ایک چرواہا ملا۔ اس نے پوچھا "تم کہاں جا رہے ہو؟" غلام نے جواب دیا "عین الشمس کے پاس۔ میری مالکہ نے کہا ہے کہ ان سے پوچھنا کہ ان کی لڑکی کی شادی کس خوش نصیب کے ساتھ ہو گی۔"

"اوہ" اس نے کہا "تم اس سے ملو تو پوچھنا کہ ہم کب تک بھیڑیں چراتے رہیں گے۔"

"ضرور" غلام نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

بہت دنوں تک وہ چلتا رہا یہاں تک کہ اسے کھیتوں کا ایک بہت طویل سلسلہ نظر آیا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک کسان کھیت میں ہل چلا رہا ہے۔

"السلام علیکم" کسان نے کہا۔

"وعلیکم السلام" غلام نے جواب دیا۔

"کہاں جا رہے ہو بھائی" کسان نے پوچھا۔

"عین الشمس کے پاس" غلام نے جواب دیا، "میری مالکہ نے مجھے بھیجا ہے کہ اس سے پوچھنا کہ ان کی لڑکی کی شادی کس خوش نصیب کے ساتھ ہو گی"

"اوہ" اس نے کہا "بھائی اس سے پوچھنا ہم آخر کب تک ہری اور زرد فصل کاٹتے رہیں گے۔

"ضرور" اس نے جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ بہت دنوں تک چلتا رہا یہاں تک کہ آخر ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں سامنے سمندر تھا۔ اس کا اور چھور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ایک مچھلی سطح پر تیر رہی تھی۔ اس نے غلام سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو"

"عین الشمس سے ملنے" غلام نے جواب دیا۔

"تم وہاں پہنچو گے کیسے" مچھلی نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم" غلام نے جواب دیا۔

"میں تمھیں لے جاؤں گی" مچھلی نے کہا۔ مگر جب تم عین الشمس سے ملو تو اس سے پوچھنا کہ جو مچھلی مجھے لائی وہ سطح پر کیوں تیرتی ہے"

"ضرور" غلام نے جواب دیا۔

مچھلی نے غلام کو اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا۔ کئی دن رات سفر کے بعد آخر سمندر کا کنارہ نظر آیا۔ مچھلی نے اسے وہاں لے جا کر ساحل پر اتار دیا۔

"میں تمھارا یہیں انتظار کروں گی" مچھلی نے کہا۔

"ٹھیک ہے" غلام نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ چلتا رہا، چلتا رہا یہاں تک کہ آخر وہ عین الشمس تک پہنچ گیا۔ اس نے پہلا سوال عین الشمس سے وہی کیا جو اس کی مالکہ نے کہا تھا۔

"جناب" میری مالکہ نے پوچھا ہے کہ ان کی لڑکی کی شادی کس خوش

نصیب سے ہو گی۔"

"تم سے اور صرف تم سے۔" عین الشمس نے جواب دیا۔

پھر اس نے دوسرا سوال کیا۔

"جناب، چرواہے نے دریافت کیا ہے کہ وہ کب تک بھیڑیں چراتا رہے گا۔"

"وہ دن اور رات کا گلہ بان ہے۔" عین الشمس نے کہا۔ "جب تک وقت کا چکر ختم نہیں ہوتا۔ اسے بھیڑیں چرانی پڑیں گی۔"

"جناب ایک سوال کسان نے بھی کیا ہے۔" غلام نے کہا۔ "اس نے پوچھا ہے کہ وہ کب تک کام کرتا رہے گا۔ وہ ہری فصل بھی کاٹتا ہے اور زرد پکی ہوئی بھی اور پھر انھیں پانی میں ڈال دیتا ہے۔"

"وہی بچوں اور بوڑھوں کے لیے موت لاتا ہے۔" عین الشمس نے کہا۔ "ہری فصلیں بچے اور نادان انسان ہیں اور پکی فصلیں بوڑھے جن کے بال سفید ہو گئے۔"

جناب میں ایک سوال اور پوچھنا چاہتا ہوں۔" غلام نے کہا۔

"پوچھو۔"

مچھلی نے دریافت کیا ہے کہ وہ کیوں سطح پر تیرتی ہے۔ نیچے کیوں نہیں جاتی۔"

جب تم اس مچھلی پر سوار ہو کر دوسرے کنارے پہنچ جاؤ تو اس کی پشت کو تھپتھپانا وہ اپنے منہ سے اخروٹ جتنا ایک بڑا ہیرا اگلے گی اس کے بعد وہ سطح کے نیچے اپنے ہمجولیوں سے مل سکے گی۔ ہیرا تم لے لینا۔ وہ تمھارا انعام ہے۔ راستے میں دائیں اور بائیں طرف تمھیں پتھر کے دو حوض ملیں گے۔ ایک میں خزانہ ہے اور دوسرے میں پانی۔ خزانہ تم لے لینا اور پانی میں نہاؤ گے تو تمھارا رنگ سفید ہو جائے گا۔"

غلام واپس ہوا۔ مچھلی نے اسے اپنی پیٹھ پر سوار کیا اور سمندر پار اتار دیا۔ اس نے مچھلی کی پیٹھ تھپتھپائی تو اس نے اخروٹ جتنا ایک ہیرا اگلا اور پانی میں چلی گئی۔ غلام نے ہیرا لے لیا۔ آگے چل کر اسے پتھر کے دو حوض ملے۔ واقعی ایک میں پانی تھا اور دوسرے میں خزانہ۔ پانی میں اتر کر اس نے غسل کیا تو اس کا رنگ میدے کی طرح سفید ہو گیا۔ خزانہ اس نے ایک سو اونٹوں پر لدوایا اور چل پڑا۔ وہ چلتا رہا چلتا رہا یہاں تک کہ اس کی ملاقات کسان سے ہوئی۔ اس نے اسے عین الشمس کا جواب بتایا پھر وہ آگے بڑھا۔ چلتا رہا چلتا رہا یہاں تک کہ اس کی ملاقات چرواہے سے ہوئی اس نے اسے بھی اس کے سوال کا جواب جو عین الشمس نے دیا تھا بتا دیا۔ پھر چلتے چلتے وہ اپنے شہر پہنچا۔ لوگوں نے ایک سو اونٹوں کے قافلے کو حیرت سے دیکھا شاندار کپڑوں اور ایک سو ایک اونٹوں کا قافلہ مکان کے باہر کھڑا کر کے جب وہ اپنی مالکن کے مکان میں داخل ہوا تو اس نے اسے نہیں پہچانا۔ اس نے سوچا کہ شاید یہ میرے شوہر کے بھائی کا لڑکا ہے اور میرے شوہر کی موت کی اطلاع پا کر ملنے آیا ہے۔ اور اپنی چچازاد بہن کو لینے۔ میری لڑکی پر اس سے بڑھ کر حق کس کا ہو سکتا ہے۔

اس نے غلام کی خوب خاطر تواضع کی۔ نہ اس نے غلام سے کچھ پوچھا۔ نہ غلام نے اسے کچھ جواب دیا۔ مالکہ نے کہا "میں اپنی لڑکی کی شادی تم سے کرانا چاہتی ہوں۔"

"جیسی آپ کی مرضی" غلام نے جواب دیا۔

شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ جو کچھ سینا تھا سیا گیا۔ لڑکی کو غسل کی خاطر شہر کے سب سے مشہور حمام میں بھیجا گیا۔ مہر کی رقم طے ہوئی۔ مہمانوں کو دعوتیں دی گئیں اور بڑے دھوم دھام سے نکاح ہوا۔

شادی کی رات کو دلہن نے دولھا کے چاند سے چمکتے چہرے کو دیکھا

اور شرما گئی۔ جب کافی دیر ہو گئی اور دولھا کھڑا رہا تو اس نے کہا۔
"آپ بیٹھتے کیوں نہیں ؟"
"اس نے کہا،، خادم آپ کا غلام ہے، آپ کی اجازت کے بغیر کیسے بیٹھ سکتا ہے ؟"
دُلھن کو بڑی حیرت ہوئی۔ بھلا اس طرح کی بات بھی کوئی دولھا کرتا ہو گا۔
"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں ؟" اس نے پوچھا۔
غلام نے جواب دیا۔
"میں وہی آپ کا غلام ہوں جسے آپ کی والدہ نے عین الشمس کے پاس روانہ کیا تھا اور آج اس حالت میں آپ کے سامنے ہوں۔
لڑکی بہت ہنسی اور اس نے کہا دیکھو خدا نے میری قسمت بنائی اور بہت شاندار بنائی اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے مگر یہ بات جو تم نے مجھے بتائی اب کسی اور سے نہ کہنا۔ اب تم میرے آقا ہو اور تمھاری خوشی میں میری خوشی ہے۔
(عراق کی لوک کتھا)

تقسیم

ایک بار گیدڑ اور بھیڑے نے مل کر کھیتی کرنے کی ٹھانی۔ دونوں نے مل کر زمین گوڑی، بیج بوئے اور جب سنہری گیہوں کی بالیاں سورج کی روشنی میں دمکنے لگیں تو انھیں کاٹ کر ایک جگہ جمع کیا۔ پھر گیہوں کی بالیوں سے دانے اور بھوسی الگ کی۔
اب بھیڑیے نے گیدڑ سے کہا فصل کا بٹوارا کرو۔
گیدڑ نے کہا ٹھیک ہے۔ فصل کا پہلا حصّہ میرا، دوسرا حصّہ میرا، تیسرا

میرا، چوتھا میرا، پانچواں میرا اور چھٹا تمہارا۔

بھیڑنے کہا جب ہم نے کھیتی کرنے کا طے کیا تھا اس وقت تو برابر کی بات ہوئی تھی۔

گیدڑ نے جواب دیا: یہ کیسے ممکن ہے، تمہاری اور میری ضروریات الگ الگ ہیں۔ چھٹا حصّہ تمہارے لیے کافی ہے۔

بھیڑ خاموش ہو گئی۔ جب بھیڑ نے دو حصے بنا لیے ایک بڑا اور ایک چھوٹا تو وہ سلیو کی شکاری کتے کے پاس گئی اور بولی: جناب آپ اس علاقے کے حاکم ہیں اور ہم آپ کے فرمابردار۔

شکاری کُتّا اپنی تعریف سن کر پھول گیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو" اس نے کہا۔

"اگر کسی کے ساتھ ناانصافی ہو تو اس کا حق اسے دلانا آپ کا کام ہے یا نہیں"

"بالکل" شکاری کتے نے کہا "کسی کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے؟"

"میرے ساتھ" بھیڑ نے کہا "گیدڑ نے مجھ سے کہا تھا کہ ہم مل کر فصل بوئیں گے۔ اب وہ سارا حصّہ ہڑپ کر رہا ہے۔ صرف چھٹا حصّہ دینے کی بات کرتا ہے"

"ٹھیک ہے ہم تمہارا حصّہ دلائیں گے" شکاری کُتّے نے کہا۔

بھیڑ اسے گدھے کے پاس لے گئی اور اسے گاڑی میں چھپا دیا جس میں اسے گیہوں لانا تھا اور اس پر ٹاٹ کی بوری ڈال دی۔

جب وہ کھیت پر پہنچے تو گیدڑ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ بھیڑ نے گیدڑ سے کہا کہ چچا ذرا میرے بچوں کو تو گاڑی سے اتار دیجیے۔ وہ گیہوں اٹھانے میں میری مدد کریں گے۔ بچوں کے نام سے گیدڑ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے سوچا بھیڑ کے بچے تو بہت لذیذ ہوتے ہیں۔

وہ گدھے کی طرف بڑھا کہ بھیڑ کے بچوں کو اپنے قبضہ میں کرلے ۔ لیکن جیسے ہی اس نے ٹاٹ کی بوری اٹھائی اسے شکاری کتے کے تیز دانت چمکتے نظر آئے ۔ وہ تیزی سے مڑا اور دم دبا کر بھاگا ۔ اب کیا ایک حصہ اور کیا پانچ حصے ، ساری فصل ہی بھیڑ کے لیے چھوڑ گیا ۔

سچ ہے جو لالچ کرتا ہے وہ اپنے حصے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے ۔

(الجیریا کی عوامی کہانی)

بن سیکران کی عیاری

ایک بار بن سیکران بازار میں گھوم رہا تھا ۔ ایک شخص اسے انجیر بیچتا ہوا نظر آیا ۔ اس نے ایک انجیر چکھا ۔ انجیر بہت لذیذ تھے ۔ شہد جیسے میٹھے اس نے بیچنے والے سے کہا کہ میں تمھاری پوری ٹوکری خرید لیتا ہوں مگر اس شرط پر کہ پیسے کل دوں گا ۔ انجیر فروش راضی ہو گیا اور بن سیکران انجیر لے کر گھر چلا آیا ۔

اگلے روز بن سیکران نے بھڑوں سے منہ پر خوب گھسا ۔ یہاں تک کہ منہ جگہ جگہ سے چھل گیا اور سرخ ہو گیا ۔ سوجا ہوا منہ لے کر ۔ لاٹھی ٹیکتا ہوا گرتا پڑتا وہ بازار پہنچا ۔ انجیر فروش اسے مل گیا وہ اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا "جناب کیا آپ نے اس بدمعاش کو دیکھا جو یہاں انجیر فروخت کرتا ہے "

اس نے کہا "کیوں کیا بات ہے "

"اگر میں آپ کو یہ دردناک واقعہ بتاؤں تو آپ کو یقین نہیں آئے گا " بن سیکران نے کہا ۔

"ضرور سنائیے " انجیر فروش نے کہا ۔

"کل میں نے اس بدمعاش سے انجیر خریدے تھے۔ گاؤں میں میرے علاوہ جس نے بھی چکھا وہ اللہ کو پیارے ہو گیا۔ اب دیکھو میری کیا حالت ہے۔ لیکن میں مرنے سے پہلے اس شخص کو ضرور عدالت تک لے جاؤں گا تاکہ اسے بھی اپنے کیے کی خوب سزا ملے۔

بس وہ مجھے مل جائے۔ میں نے سوچا شاید آپ نے اسے دیکھا ہو۔"

"جی نہیں میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔" انجیر فروش نے جواب دیا۔

(الجیریا کی لوک کہانی)

ہوشیار طالب علم

بن سیکران ایک بار سفر کر رہا تھا۔ راستے میں ایک ایسا بنجر علاقہ پڑا کہ دور دور تک آدم زاد کا پتا نہ تھا۔ بھوکا پیاسا وہ چلتا رہا یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ آخر اسے ایک بدّو کا خیمہ نظر آیا۔

بن سیکران نے بدّو کو سلام کیا اور کہا میں قرآن پڑھتا ہوں رات گزارنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ مجھے صرف دشمنوں سے حفاظت کے لیے ٹھکانہ چاہیے۔ کھانا نہیں۔

بدّو اسے خیمے میں لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ یہ مسافر رات گزارنے کی اجازت چاہتا ہے۔

عورت کچھ پکا رہی تھی اس نے بے حد تلخ لہجے میں کہا یہاں ہمارے ہی کھانے کا ٹھکانہ نہیں اسے کیا کھلائیں گے۔

بدّو نے کہا: بھلا مہمان کو کوئی گھر سے کیسے لوٹا سکتا ہے۔ پھر جب وہ خود ہی کہہ رہا ہے کہ اسے کھانا نہیں چاہیے۔

بہرحال جب وہ بیٹھ گئے تو بدّو کو کچھ اچھا نہیں لگا۔ اس نے

بن سیکران کو کھانے سے لیے اصرار کیا۔

بن سیکران نے کہا " میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے کھانا نہیں چاہیے۔ ویسے بھی سوکھا نمکین گوشت مجھے بالکل پسند نہیں۔ اگر نمکین گوشت ہو تو میں نہ گوشت چکھتا ہوں نہ شوربا۔"

" خدا اس شخص کی بھوک سے ہمیں محفوظ رکھے۔" بیوی نے نمکین گوشت شوربے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ گائے دوہنے چلی گئی۔ بن سیکران کی آنتیں قل ھواللہ پڑھ رہی تھیں۔ وہ جلدی سے اٹھا۔ خیمے میں بھیڑ کی کھال کی ایک جھولی لٹک رہی تھی۔ اس میں سے نمکین گوشت کے کئی ٹکڑے نکال کر اس نے پتیلی میں ڈال دیے۔ بہت سارے اپلے جلانے کے لیے ایک طرف رکھے تھے۔ اس میں سے کئی اس نے جھولی میں ڈال دیے کہ جھولی ویسے ہی بھری ہوئی معلوم ہو اور خاموش اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔

وہ واپس آئی تو اس نے دیکھا پتیلی گوشت سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے فوراً جھولی پر نظر ڈالی مگر جھولی ویسی ہی بھری ہوئی تھی۔

" یہ طالب علم یقیناً ہمارے لیے مبارک ہے۔" بدو عورت نے اپنے خاوند سے کہا پتیلی گوشت سے لبریز ہے اور جھولی ویسے ہی بھری ہوئی ہے۔"

اس نے پتیلی سے سالن نکالا اور شوہر سے پہلے بن سیکران کے آگے رکھ دیا۔ بن سیکران بھوکا تو تھا ہی۔ وہ کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

"تم تو کہتے تھے نمکین گوشت تمھیں پسند نہیں ہے" بدو عورت نے اس سے کہا۔

" یہ کوئی معمولی کھانا تھوڑے ہی ہے۔" بن سیکران نے جواب دیا۔
" یہ تو برکت کا کھانا ہے۔"

(الجیریا کی عوامی کہانی)

جانشین

شیخ غنیم اپنے قبیلے کے امیر تھے اور پورا قبیلہ ان کا احترام کرتا تھا۔ ان کے کئی لڑکے تھے اور سب سے چھوٹے لڑکے کا نام تھا۔ ثریاب۔ شیخ غنیم کی عمر جب زیادہ ہو گئی تو قبیلے کے ذمّہ دار لوگوں نے شیخ سے کہا کہ آپ کی عمر اب کافی ہو چکی ہے۔ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو جانشین مقرر کر دیں تو بہتر ہو گا۔

شیخ غنیم مسکرائے اور کہا: "میرا بیٹا ثریاب سب لڑکوں میں عقل مند ہے۔ میرے بعد قبیلے کا وہی امیر ہو گا۔"

ایک روز شیخ اپنی بیوی کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ بات کچھ حسب نسب کی آئی تو انھوں نے کہا تمھارا قبیلہ ہلال سے نہیں۔"

بیوی نے جواب دیا، بالکل نہیں، ہم بھی بنی ہلال سے ہیں۔

شیخ نے کہا" یہ معلوم کرنا کون سا مشکل کام ہے کہ تمہارا قبیلہ بنی ہلال سے ہے یا نہیں۔ صرف تین لفظوں میں ایک ہلالی کو پہچانا جا سکتا ہے۔"

"وہ تین لفظ کون سے ہیں۔" بیوی نے پوچھا۔

تم اپنے بھائیوں سے تین باتیں پوچھو" شیخ نے کہا" دنیا میں کون سی چیز سب سے ہلکی ہے، کون سی سب سے میٹھی اور کون سی چیز سب سے گرم۔ اگر انھوں نے ٹھیک بتا دیا تو میں تمھارے مہر میں سو مہروں کا اضافہ کر دوں گا۔"

شیخ غنیم کی بیوی اپنے بھائیوں کے خیمے پر پہنچی اور انھیں شیخ کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے اکسایا۔

اس کے بھائی بنسے۔
"بھلا یہ بھی کوئی سوال ہے:" انھوں نے کہا" پرندے کے پر سب سے ہلکے ہوتے ہیں۔ شہد سب سے میٹھا ہوتا ہے اور کالی مرچ سب سے گرم۔ تم شیخ سے کہنا کہ اگر واقعی سوال پوچھنے ہی تھے تو کچھ مشکل سوال پوچھے ہوتے۔
شیخ غنیم کی بیوی واپس اپنے خیمے پر آئی تو باہر اس کی ملاقات ثریاب سے ہوئی۔ اس نے ماں سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آرہی ہے۔ ماں نے اسے شیخ غنیم سے اپنی گفتگو اور اپنے بھائیوں کے جوابات بتائے۔
"سب غلط،" ثریاب نے ہنس کر کہا" دنیا میں سب سے ہلکی چیز بارود ہوتی ہے جب وہ بندوق کی نالی میں ہو۔ انسان کے قلب سے گرم کوئی چیز نہیں ہوتی وہ جس وقت اپنے سے زیادہ محبوب شخص کو بستر مرگ میں دیکھتا ہے اور سب سے شیریں وہ بستر ہوتا ہے جس پر اس کے بچے اچھل کود کر رہے ہوں۔"
"خدا تمھیں سدا خوش رکھے،" شیخ کی بیوی نے ثریاب کو دعا دی۔ مگر بیٹا اپنے باپ سے نہ کہنا کہ خیمے کے باہر تم مجھ سے ملے تھے۔"
شیخ غنیم بیوی کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ جیسے ہی وہ خیمے میں داخل ہوئی انھوں نے بے تابی سے پوچھا۔" کیا جواب دیا تمھارے بھائیوں نے۔"
شیخ کی بیوی نے وہ جوابات دہرا دیے جو ثریاب نے بتلائے تھے۔
شیخ سوچ میں پڑ گئے اور خیمے کے باہر ٹہلنے لگے۔ ٹہلتے ٹہلتے شیخ اچانک رکے اور چیخ پڑے۔
"قتل کر دیا، قتل کر دیا، انھوں نے ثریاب کو قتل کر دیا۔"
بیوی دوڑ کر خیمے کے باہر آئی اور کہا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے، میں نے ابھی اسے خیمے کے باہر دیکھا تھا۔"
شیخ مسکرائے اور کہا۔
"میں جانتا تھا ایک سچا ہلالی ہی ان سوالات کے جوابات دے

سکتا ہے۔"

اگلے روز ژیاب چھیاسٹھ (۶۶) اونٹنیاں چراگاہ کو لے جا رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک شخص ملا۔ اس کے ساتھ سلیٹی رنگ کی ایک مادہ گھوڑی بھی پیچھے پیچھے آرہی تھی۔

"اسے بیچو گے؟" ژیاب نے اس سے پوچھا۔

"کیوں نہیں" اس نے جواب دیا "کیا قیمت دو گے۔"

"یہ ساٹھ اونٹ" ژیاب نے اونٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا تم مذاق کر رہے ہو؟" اس نے کہا۔

"بالکل نہیں" ژیاب نے کہا "ساٹھ اونٹ گنو اور لے جاؤ۔"

وہ آدمی اونٹ لے کر چلا تو باقی کے چھے اونٹ بھی ان کے پیچھے پیچھے جانے لگے۔

ژیاب نے کہا انھیں بھی لے جاؤ۔

ژیاب خیمے پر واپس آیا۔ قبیلے کے لوگ اسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔

"شیخ غنیم کے چھوٹے لڑکے کا بھی جواب نہیں" انھوں نے کہا "ساٹھ اونٹوں کے بجائے اس مریل گھوڑی کو لایا ہے۔"

شیخ غنیم کو پتا چلا تو انھوں نے ژیاب سے پوچھا:

"میں نے سنا کہ تم نے ایک گھوڑی خریدی ہے۔ کیسی ہے وہ؟"

"وہ تھوڑا سا دیکھ سکتی، تھوڑا سا بوجھ اٹھا سکتی ہے اور اس کے پیر تھوڑے سے ٹیڑھے ہیں۔"

شیخ ہنسے اور کہا "یہ گھوڑی تمھیں سو اونٹ دلائے گی اور تھوڑے اور۔"

کچھ دن بعد قبیلے کے نوجوانوں نے گھوڑوں کی ریس رکھی۔ ہر

شخص کو دس اونٹ شرط میں لگانے تھے۔ یہ سارے اونٹ چھ گھنٹے کے فاصلے پر جمع کر دیے گئے۔ اگلے روز ریس تھی۔ جو شخص سب سے پہلے وہاں پہنچ گا وہی ان کا حق دار ہو گا۔

ثریاب کے پاس اب اونٹ کہاں تھے۔ اس نے اپنی خالہ سے کہا۔ خالہ نے اپنے اونٹوں میں سے دس اونٹ اسے دیدیے۔

سب نوجوان ایک جگہ جمع ہوئے۔ انھوں نے ثریاب سے کہا۔ تمھارا گھوڑا کہاں ہے۔

"تم لوگ چلو۔ میں تمھارے پیچھے آ رہا ہوں" ثریاب نے کہا۔

سب لوگ ہنسے۔

"شیخ کے لڑکے کا بھی جواب نہیں" انھوں نے کہا" بھلا اس طرح بھی کوئی ریس کرتا ہے"

ریس شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب نوجوان نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اب ثریاب نے اپنی گھوڑی پر زین کسی۔ اچھل کر سوار ہوا اور ایڑ جو لگائی تو گھوڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

سب ہی گھوڑے چار پانچ گھنٹوں کے بعد تھک گئے۔ اور پیچھے رہ گئے سوائے دو کے جن کے منہ کف سے بھر گئے تھے۔ ان دونوں نے سوچا کہ اپنے گھوڑوں کو تھکانے سے کیا فائدہ۔ ہم دو ہی تو بچے ہیں۔ تھوڑی دیر آرام کر لیتے ہیں۔ جب وہاں پہنچیں گے تو اونٹوں کو آپس میں برابر تقسیم کر لیں گے۔

یہ بات طے کر کے انھوں نے اپنے گھوڑوں کی زینیں کھول دیں اور آرام کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھے۔ ابھی کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ ثریاب انھیں اونٹوں سمیت آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک سو بیس گھوڑے تھے۔

"ثریاب تم!"، سوار کو دیکھتے ہی دونوں نے حیرت سے کہا۔
"ثریاب نے جواب میں خوشی کا نعرہ بلند کیا اور بڑھتا چلا گیا۔"
جب وہ اپنے خیمے پر آیا تو شیخ غنیم نے اسے مبارکباد دی اور کہا۔
میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تمھاری گھوڑی تمھیں سو اونٹ دلائے گی اور کچھ زیادہ۔" اس روز شیخ غنیم نے ثریاب کو قبیلے کا سردار بنا دیا اور سب نے خوشی سے اس کی اطاعت قبول کی۔
(مراکش کی لوک کہانی)
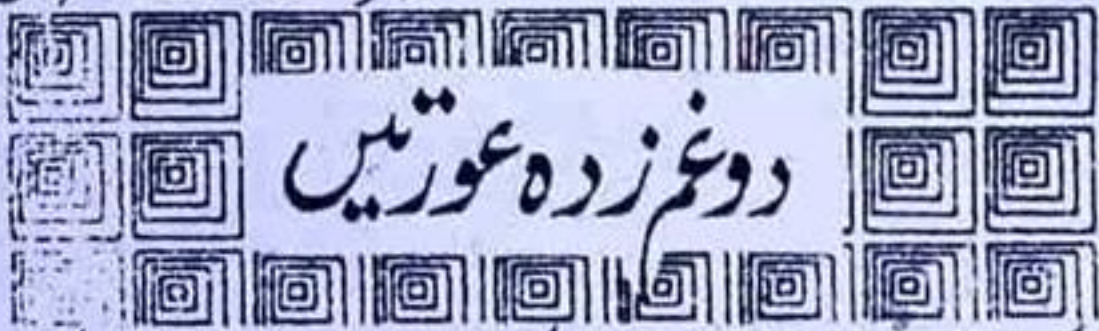
دو غم زدہ عورتیں

قبیلے کے امیر حسن نے ایک بڑھیا کو روتے دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے۔ کیوں رو رہی ہو۔
اس عورت نے جواب دیا۔ "میرا بیٹا مر گیا۔"
"وہ کیا کام کرتا تھا؟"، شیخ نے پوچھا۔
"بیٹا ہم غریب لوگ ہیں۔" بڑھیا نے جواب دیا۔ "ہمارا گھر اسی سے چلتا تھا۔ اب تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔"
"مت رو"، امیر نے کہا "میں تجھے ایک خچر دے دیتا ہوں۔ وہ بیٹے کے بجائے تیرا کام کرے گا اور تیرا گھر چلتا رہے گا۔"
امیر نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ آگے بڑھے تو ایک عورت کو دیکھا کہ اپنے بیٹے کی قبر پر بیٹھی رو رہی ہے۔
امیر نے اس سے پوچھا: "تیرا بیٹا کیا کرتا تھا؟"
"وہ قبیلے کے معزز لوگوں کو جمع کرتا۔ ان کی دعوتیں کرتا۔ وہ جب

رخصت ہوتے تو ان کے ساتھ ساتھ چلتا۔ اس وقت تک جب تک خیمے آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جاتے۔" بڑھیا نے جواب دیا۔

"تیرا بیٹا واقعی فراخ دل۔ اور مہمان نواز تھا۔" امیر نے بڑھیا سے کہا۔ اُس کے لیے تو جتنا روئے کم ہے۔ تجھے نہ ہم تسلّی دے سکتے ہیں اور نہ کوئی تیرے نقصان کو پورا کر سکتا ہے۔"

(الجیریا کی عوامی کہانی)

مہمان جو فرار ہو گیا

شام کا وقت تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ ایک تھکا ماندہ مسافر ایک بدّو کے خیمے پر پہنچا اور ایک رات ٹھہرنے کی اجازت چاہی۔ بدّو نے نہ صرف بخوشی اجازت دی بلکہ فوراً دو مرغیاں ذبح کر کے بیوی کے حوالے کی تاکہ مسافر کے لیے اچھے کھانے کا بندوبست ہو سکے۔

عورت نے جلدی جلدی مسالا تیار کیا اور مرغی پتیلی پر چڑھائی۔ کچھ دیر بعد پانی کھولنے لگا اور گرم گرم بھاپ پتیلی سے نکل کر خیمے میں پھیلی۔ مرغی کی خوشبو عورت کے نتھنوں میں گھسی تو اُس کا دل للچا اٹھا۔ اس نے سوچا ایک بوٹی چکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ ایک بوٹی چکھی تو اسے بڑا لطف آیا۔ اس نے سوچا ایک بوٹی اور چکھ لیتی ہوں۔ اس طرح ایک ایک کر کے سارا گوشت ختم ہو گیا۔ ایک گردن بچ گئی تھی وہ اس نے بچّے کو دے دی۔ بچّے کو گردن میں کچھ مزہ نہ آیا اور وہ مچلنے لگا کہ ماں مجھے اور گوشت دے۔

"بس بس،" عورت نے بچّے کو ڈانٹا "تیرے باپ نے تیری عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا۔ تیرے بات کو تو عقل ہی نہیں

بھلا بچوں کی کوئی ایسی عادت ڈالتا ہے۔"

خیمے کے مہمانوں والے حصے میں مسافر عورت کی باتیں سن رہا تھا۔

"کیسی عادت" مسافر نے تعجب سے پوچھا۔"

"جب بھی کوئی مسافر آکر رکتا ہے۔" عورت نے لاپروائی سے کہا۔ "اس کے کان کاٹ کر تلتا ہے اور پھر اس بچے کو کھلا دیتا ہے۔"

مسافر کے کان کھڑے ہوئے۔ اس نے چپکے سے اپنا سامان سمیٹا اور رفوچکر ہو گیا۔

بدّو واپس آیا تو مسافر کو نہ پاکر۔ ۔ ۔ حیران ہوا۔ اس نے عورت سے پوچھا کہ مہمان کیوں چلا گیا۔ کیا تکلیف تھی اسے۔

"تمہارا مہمان بھی عجیب تھا۔" بدّو کی عورت نے کہا" اس نے پتیلی سے دونوں مرغیاں نکالیں اور بھاگ کھڑا ہوا۔"

اب تو بدّو بہت گھبرایا۔ عبا کو اٹھائے اٹھائے وہ مسافر کے پیچھے پیچھے دوڑا دور صحرا میں اسے مسافر بھاگتا ہوا نظر آیا۔ بدو نے اپنی رفتار اور تیز کر دی اور زور سے چلّایا" بھائی مسافر کم از کم ایک تو دیتے جاؤ۔"

اس کی آواز سن کر مسافر اور گھبرایا۔ اس نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔

(تیونس کی عوامی کہانی)

باپ کی نصیحت

ایک شخص نے مرتے وقت اپنے بیٹے علی کو نصیحت کی کہ بیٹا، امیروں شہزادوں کی صحبت مت اختیار کرنا۔ راز کی کوئی بات اپنی بیوی سے مت کہنا۔ اور ایسے گھر ہرگز بیاہ مت کرنا جن کی مالی حالت تم سے بہتر ہو۔ بہت

دن گزر گئے اور بیٹا اس نصیحت کو بھول بھال گیا۔ بڑی بہن کی شادی تو باپ کی زندگی میں ہی ہو چکی تھی۔ چھوٹی بہن شادی کے لائق ہوئی تو اس کی شادی ایسے گھر کی جس کی بھیڑیں دور تک چراگاہوں میں چرتی نظر آرہی تھی۔ اتنے اونچے گھر شادی ہونے کی وجہ سے علی کی دوستی امیروں اور وزیروں سے ہو گئی۔ اس کی رسائی محل تک ہو گئی۔ شاہی دعوتوں میں اسے بلایا جانے لگا۔ وہ بھی بڑے بڑے لوگوں کی دعوتیں کرتا۔ چاہے گھر میں فاقے ہی کیوں نہ ہوں۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے علی کو باپ کی نصیحت یاد آئی۔ اس نے سوچا میرا باپ بھی کتنا بھولا تھا۔ اس کی نصیحت پر میں عمل کرتا تو آج کہاں ہوتا۔ آج کتنے بڑے بڑے لوگوں سے میری دوستی ہے۔ میری بہن عیش کر رہی ہے۔ پھر بھی اس نے سوچا کہ باپ کی نصیحت کو آزما کر دیکھنا چاہیے۔

اگلے روز وہ محل کے پائیں باغ میں گیا۔ وہاں سلطان کا پالتو ہرن چوکڑیاں بھر رہا تھا۔ علی اسے پکڑ کر گھر لے آیا اور چھپا دیا۔ اپنی ایک بھیڑ اس نے ذبح کی اور اپنی ایک بیوی سے کہا "بیگم، کسی سے کہنا مت، آج میں سلطان کا پالتو ہرن چرا کر لے آیا۔ آج میرا دل ہرن کا گوشت کھانے کو ہو رہا تھا۔ اسے میں نے ذبح کر دیا ہے۔ یہ لو اس کا گوشت۔ اس کے کباب بنا لو۔"

ابھی بیوی مسالا تیار کر رہی تھی کہ سلطان کا ہرکارہ منادی کرتا ہوا گزرا کہ سلطان کا پالتو ہرن چوری ہو گیا ہے۔ پتا چلانے والے کو انعام اور خلعت دی جائے گی۔ بیوی نے ہرکارے کی آواز سنی مگر کچھ کہا نہیں۔

دو دن تو گھر میں سکون رہا مگر تیسرے دن علی اور اس کی بیوی میں تکرار ہو گئی۔ علی غصے میں چیخنے لگا۔ اس کی بیوی بھی کم نہیں تھی۔ اس نے فوراً محل میں خبر بھجوائی کہ سلطان کا پالتو ہرن اس کے شوہر

نے چوری کیا ہے۔ منٹوں میں، سپاہی آ پہنچے اور ہتھکڑی ڈال کر علی کو لے گئے۔ کوتوال جو علی کو پکڑنے کے لیے آیا تھا علی کا دوست تھا۔ علی نے بہتیرا کہا کہ تم میرے دوست ہو۔ اس نے کہا میں تمھیں نہیں پہچانتا۔ بھلا تمھاری میری دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔ میں کوتوال تم چور۔

علی پر پچاس اونٹوں کا جرمانہ کیا گیا۔ تین دن کے اندر ادا کرنا تھا اور جرمانہ ادا نہ کرنے پر سزائے موت۔ علی نے سوچا کس سے مدد طلب کرے۔ اسے اپنے بہنوئی کا خیال آیا۔ اس کے لیے پچاس اونٹ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ علی اس کے پاس گیا۔ مگر وہ بہت روکھے پن سے پیش آیا۔ اس نے کہا تم نے میری عزت مٹی میں ملا دی۔ اگرچہ اس کی بہن بہت روئی، گڑگڑائی مگر بڑی مشکل سے ایک بوڑھا بکرا دینے پر راضی ہوا۔

علی کے سارے امیر دوست اس کے ساتھ بڑی بے مروتی کے ساتھ پیش آئے۔ اب بس ایک ہی گھر بچا تھا۔ اس کی بڑی بہن کا، جو ایک چرواہے سے بیاہی تھی۔ وہ بہت غریب تھے۔ علی جب بہن کے گھر پہنچا تو اس کا شوہر گھر ہی میں تھا۔ اسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ بولا بیٹا تم نے بہت دنوں بعد ہماری خبر لی۔ اب ہم تمھیں کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دیں گے۔"

کھانے کے بعد جب وہ قیلولہ کرنے لگے تو اس نے علی سے پوچھا۔ "بیٹا کیا بات ہے۔ تم کچھ اداس معلوم ہوتے ہو۔"

علی نے اپنی بپتا سنائی۔ اس نے کہا "بیٹا کیوں فکر کرتے ہو۔ تم تو ہمیں اپنی آنکھوں سے بھی زیادہ پیارے ہو۔ تم آرام سے سو جاؤ۔ کل انشاء اللہ اونٹوں کا بندوبست ہو جائے گا۔

اگلے روز صبح سویرے وہ اپنی بھیڑیں، اونٹنیاں لے کر نکل گیا۔ اور

پہاڑی پر جاکر آواز دی ، ہائی ہوم ،

جب چرواہے مصیبت میں ہوتے ہیں تو اسی طرح چلّاتے ہیں تاکہ دوسرے چرواہوں کو پتا چل جائے

اس کی آواز سنتے ہی ہر طرف سے چرواہے اپنے جانور لے کر اس کی طرف آنے لگے ۔ تب علی کے بہنوئی نے کہا دوستو ! میرا سالا مصیبت میں ہے ۔ اس کو پچاس اونٹوں کی ضرورت ہے ۔

سب نے اسی وقت اپنے اونٹوں میں سے ایک ایک اونٹ اسے دے دیا ۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو بہنوئی نے کہا " بیٹا تمھارے پچاس اونٹ باہر کھڑے ہیں ۔ تم چین سے ناشتا کرو اور اپنے اونٹ لے جاؤ "

پھر لوگوں نے دیکھا کہ علی محل کو جا رہا ہے ۔ اس شان سے کہ دائیں طرف سلطان کا پالتو ہرن ہے ۔ بائیں طرف بوڑھا بکرا جو اس کے امیر بہنوئی نے دیا تھا پیچھے پچاس اونٹوں کا قافلہ بڑی شان سے خراماں خراماں چلا آرہا ہے ۔

جب وہ محل میں پہنچا تو سلطان نے کہا یہ کیا بات ہے ۔ پالتو ہرن تمہارے پاس ہی ہے اور وہ بھی زندہ اور صحیح سلامت ۔

علی نے سلطان کو ساری کہانی سنائی ۔ باپ کی نصیحت کا ذکر کیا ۔ سلطان ساری بات جان کر بہت خوش ہوا ۔ اس نے علی کے امیر بہنوئی اور دوسرے لوگوں کو برا بھلا کہا علی کو انعام واکرام سے نوازا اور اس کے باپ کی دانش مندی کی تعریف کی ۔

(ملک شام کی لوک کتھا)

ایک عجیب کہانی

کسی شہر میں ایک مالدار آدمی تھا۔ اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ماں باپ اس کی ہر خواہش پوری کرتے۔ اسے دیکھ کر خوش ہوتے۔ جب وہ بڑا ہوا تو ماں باپ نے اس کی شادی کر دی۔ اس کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ سات دن تک دعوتیں چلتی رہیں۔ آٹھویں روز دلھن کو رخصت کیا گیا۔

دُلھن دن بھر کی تھکی ہوئی۔ ایسے گھوڑے بیچ کر سوئی کہ پھر صبح ہی اٹھی۔ صبح اس نے دیکھا کہ وہاں اس کا شوہر نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد حسن کی ماں کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے جب حسن کو نہ دیکھا تو بہو سے پوچھا۔ بہو کو کیا پتا تھا۔ حسن کی ماں نے اپنے شوہر سے کہا۔ سب ملازموں نے تلاش کرنا شروع کیا مگر کہیں بھی حسن کا پتا نہ چلا۔ منٹوں میں خوشی کا گھر سوگ میں بدل گیا۔ حسن کے والدین بہت اداس اور ہر وقت روتے رہتے۔ اسی طرح کافی دن گزر گئے۔

ایک دن حسن کی بیوی نے اپنے سسر سے کہا کہ کیا یہ اچھا نہ ہو گا کہ میں حسن کی غیر موجودگی میں اسی طرح گھر کو رکھوں جیسے وہ ہوتے تو رکھتے۔ سسر نے کہا بیٹی جیسی تمہاری مرضی۔

اگلے روز حسن کی بیوی نے مہمان خانہ کھلوا دیا اور ایسی تواضع شروع کی کہ دور دور تک چرچے ہونے لگے۔ اپنے ساتھ میکے سے وہ بہت سارے نوکر چاکر، بیش قیمت قالین اور برتن وغیرہ لائی تھی۔ اس نے مہمان خانہ خوب اچھی طرح سجایا۔ اور نوکروں کو خدمت پر لگا دیا۔ اگر چار مہمان آتے تو ان کی خدمت کے لیے چار نوکر تواضع میں لگ جاتے۔ دس مہمان آتے تو دس نوکر مہمانداری کرتے۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حاتم طائی تک پہنچی۔ وہ سو سواروں کے ساتھ حسن کی ڈیوڑھی پر آیا ایک سوایک

نوکروں نے حاتم طائی کا استقبال کیا۔

تین دن تک خوب مہمان داریاں ہوئیں۔ حاتم طائی نے یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر سوچا کہ یہ عورت تو اس لائق ہے کہ اسے شادی کا پیغام دیا جائے اس نے حسن کی بیوی کو پیغام بھجوایا مگر اس نے کہا جب تک میرے شوہر کا پتا نہیں چلتا میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔

حاتم طائی اگلے روز ہی سفر پر روانہ۔ کئی دن کئی رات مسلسل سفر کے بعد اس کی زین کا چمڑا بے کار ہو گیا۔ اور اسے نئی زین کی ضرورت پڑی اس نے زین بنانے والے کو تلاش کرنا شروع کیا۔ اس کی ملاقات حسن السراج نام کے ایک شخص سے ہوئی جو زین بناتا تھا۔ اس نے حاتم طائی کی زین الٹ پلٹ کر دیکھی۔ اس کا ناپ لیا اور وعدہ کیا کہ وہ جلد ہی اسے نئی زین بنا دے گا۔

حسب وعدہ اس نے جلد ہی زین بنا دی۔ حاتم طائی نے زین کے پیسے ادا کیے۔ اس کے کام کی تعریف کی اور زین لے کر وہ چلنے لگا تو اس کاریگر نے کہا اپنے پیسے واپس لیجیے اور میری زین لوٹا دیجیے! اس نے حاتم طائی سے زین لی اور اس کے چاقو سے اتنے ٹکڑے کر دیے کہ وہ بالکل بے کار ہو گئی۔ حاتم طائی کو بہت تعجب ہوا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے۔ مگر کاریگر خاموش رہا۔ جب حاتم طائی نے بے حد اصرار کیا تو اس نے کہا۔ اچھا میں اپنا راز تمھیں بتا دوں گا مگر تم پہلے جوتوں کے کاریگر یوسف الثقفی کا واقعہ معلوم کر کے مجھ سے بیان کرو۔

حاتم نے کسی اور سے زین بنوائی اور ایک بار پھر سفر پر چل پڑا۔ کئی دنوں تک سفر کرنے کے بعد ایک شہر میں اترا۔ وہاں ایک شام وہ مسجد کے پاس سے گزر رہا تھا کہ اس نے جوتوں کے ایک کاریگر کو دیکھا کہ جوتا بناتے بناتے وہ مسجد کی سیڑھیوں پر دوڑا اور مینار پر چڑھ کر دائیں بائیں دیکھنے

لگا۔ کچھ دیر وہ یونہی دیکھتا رہا پھر وہ سیڑھیوں سے اتر آیا اور جوتا بنانے میں مشغول ہو گیا۔ کچھ دیر بعد پھر جوتا رکھا اور مسجد کی طرف دوڑا۔ حاتم طائی نے دیکھا کہ وہ بار بار یہی حرکت کرتا ہے تو اس کے پاس جا کر پوچھا "آپ کون ہیں۔ ایسا کیوں کرتے ہیں" اس نے کہا میرا نام یوسف اسقفی ہے۔ اگر میرا راز جاننا چاہتے ہو تو پہلے تم لہار یعقوب الحداد کا قصہ سناؤ۔ پھر میں تمھیں اپنا راز بتاؤں گا۔

حاتم طائی پھر سفر پر روانہ ہوا۔ وہ دن میں چلتا، رات میں آرام کرتا۔ یہاں تک کہ ایک شہر میں پہنچا وہاں ایک لہار لوہا کوٹ رہا تھا مگر بار بار تھوڑا سندان پر مارنے کے بجائے پیشانی پر مار لیتا۔ جب وہ کافی زخم ہو گیا تو اس کے دوست اسے اٹھا کر گھر لے گئے۔ حاتم طائی بھی پیچھے پیچھے چلا۔ جب اس کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو اس نے پوچھا کہ تم کون ہو اور ایسا کیوں کرتے ہو۔

اس نے جواب دیا میرا نام یعقوب الحداد ہے۔ اس وقت تک نہیں بتاؤں گا جب تک مجھ سے داؤد السمک کا قصہ بیان نہیں کرتے۔

حاتم طائی نے سرد آہ بھری اور پھر چل پڑا۔ یہ سفر تو اس کے جی کا روگ ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کبھی ختم ہی نہ ہو گا۔ داؤد السمک یعنی مچھیرا داؤد۔ اس نے سوچا وہ کسی دریا کے قریب ہی ملے گا۔ اس کا خیال صحیح تھا۔ اس نے دیکھا ایک آدمی گیہوں، جوار، دالیں وغیرہ سمندر میں پھنکوا رہا ہے۔ حاتم نے کہا "تم کیسے آدمی ہو۔ اس طرح اناج ضائع کر رہے ہو"

"میں کچھ بھی کروں اس سے تمھیں کیا" اس شخص نے کہا۔

"تمھارا نام کیا ہے؟" حاتم طائی نے پوچھا۔

میرا نام داؤد السمک ہے، لیکن تم یہاں کس لیے آئے ہو۔ حاتم طائی نے اس کو اپنی آمد کا مقصد بتایا تو اس نے کہا میں تمھیں اپنا واقعہ بتا دوں گا مگر تم پہلے مجھے یہ معلوم کر کے بتاؤ کہ ہوائیں کیوں چلتی ہیں اور بارش کیوں

ہوتی ہے۔"

حاتم نے سوچا شاید یہ آخری منزل ہے۔ اس کے بعد ساری گتھیاں سلجھ جائیں گی۔ اس نے پھر سفر شروع کیا۔ راستے میں اسے دو طاقتور آدمی لڑتے ہوئے ملے۔ حاتم کو دیکھ کر وہ رک گئے۔

حاتم نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ آپ لوگ آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں۔

انھوں نے کہا ہم دونوں جن ہیں اور بھائی بھائی ہیں۔ ہمارے باپ کے پاس پیغمبر سلیمان ؑ کا یہ جادوئی قالین تھا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس کے انتقال کے بعد یہ کس کو ملنا چاہیے۔ حاتم طائی نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا کہ اس پتھر کو میں دور پھینکتا ہوں۔ جو شخص بھی اسے پہلے اٹھائے گا وہی اس قالین کا مالک ہوگا۔

انھوں نے کہا ٹھیک ہے ہمیں منظور ہے۔

حاتم طائی نے پوری طاقت سے پتھر دور پھینکا۔ جیسے ہی جن پتھر اٹھانے کے لیے لپکے حاتم جادوئی قالین بچھا کر اس پر بیٹھ گیا اور کہا۔" اے قالین تجھے پیغمبر سلیمان ؑ کی قسم ہے اڑ اور مجھے ایسی جگہ لے چل جہاں مجھے پتا چل سکے کہ ہوائیں کیوں چلتی ہیں اور بارش کیوں ہوتی ہے۔

پلک جھپکتے ہی قالین اڑا اور اس قدر اونچا ہو گیا کہ زمین گیند کی طرح نظر آنے لگی۔ سات سمندر پار کر کے وہ ایک محل پر اترا جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آنگن میں ایک بوڑھا بیٹھا ہے جس کے بال سن سے بھی زیادہ سفید ہیں۔

" تم انسان ہو یا جن ،، بوڑھے نے پوچھا۔" یہاں تک کیسے پہنچے "

" بڑے میاں میں انسان ہوں ،، حاتم طائی نے کہا " خدائے بزرگ و برتر کا کرم ہے کہ اس نے مجھے یہاں تک پہنچایا۔"

بوڑھے اسے اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور کہا " میں پیغمبر سلیمان کا جِن ہوں۔ انھوں نے مجھے دو عجیب گھوڑے دیے ہیں۔ ایک گھوڑا جب اڑتا ہے تو آسمان کے چشمے کھل جاتے ہیں اور پانی برسنے لگتا ہے۔ دوسرے کے اڑتے ہی ہوائیں آندھی طوفان کی طرح چلنے لگتی ہیں۔ لیکن جسے بھی یہ راز معلوم ہو جائے وہ زندہ واپس نہیں جاسکتا۔ اس لیے اب تم اپنی موت کے لیے تیار ہو جاؤ

حاتم نے کہا ٹھیک ہے۔ مگر مجھے اجازت دیجیے کہ ایک بار میں خدائے بزرگ و برتر کے حضور دعا کرسکوں۔

بوڑھے نے کہا ٹھیک ہے۔

حاتم طائی نے جادوئی قالین پھیلا دیا اور اس پر دعا کے انداز میں ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ اور قالین سے کہا " پیغمبر سلیمانؑ کی قسم اُڑ اور مجھے واپس وہیں پہنچا دے جہاں سے ہم اُڑے تھے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے قالین اڑا۔ اور محل اور بوڑھا نظروں سے اوجھل گئے۔ سات سمندر پار کر کے وہ واپس لوٹا۔ وہاں جِن اب بھی لڑ رہے تھے۔ اس نے قالین ان کو دیا۔ اور داؤد السمک کے پاس پہنچا۔ اسے ساری کہانی سنائی۔

داؤد السمک نے کہا' اب تم میری بات سنو۔ میں ایک معمولی مچھیرا تھا۔ ایک بار میں دریا سے جال کھینچ رہا تھا تو جال مجھے بہت بھاری معلوم ہوا۔ میں نے پوری طاقت سے جال کو کھینچا۔ اتنا وزنی جال میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں کھینچا تھا۔ جال میں مجھے ایک بہت بڑی مچھلی ملی۔ جب ہم اسے ریت میں کھینچ رہے تھے تو اچانک مچھلی پھڑپھڑائی اور ایک موتی اُگلا موتی کافی بڑا تھا اور اس کی روشنی سے سارا ساحل منور ہو گیا۔ ہم نے دوڑ کر موتی اٹھایا مگر اتنی دیر میں مچھلی واپس پانی میں کود گئی۔ موتی میں نے دس ہزار دینار میں بیچ دیا۔ دس ہزار دینار سے میں نے خوب عیش کیے۔

مگر خرچ کرنے پر آؤ تو قارون کا خزانہ بھی کہاں پورا پڑتا ہے۔ اب میرے پیسے ختم ہو رہے ہیں۔ میں نے اپنی ساری دولت اس دریا میں جھونک دی ہے کہ وہ مچھلی ایک بار اور میرے ہاتھ آجائے۔ مگر اب میں تھک گیا ہوں تم اپنی تلوار نکالو اور میرا سر تن سے الگ کر دو۔

حاتم طائی نے کہا " دس ہزار دینار تمھاری سات پشتوں کے لیے کافی تھے مگر تمھارے لالچ نے تمھیں برباد کر دیا۔ اگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ تم اپنے کیے کی سزا بھگتو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

اب وہ یعقوب الحداد کے شہر پہنچا اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا۔ تب یعقوب الحداد نے اپنی داستان سنائی۔ اس نے کہا " میں شہر کا سب سے بڑا تاجر تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ سفر میں مجھے سولہ سال لگ گئے۔ سولہ سال بعد جب میں اپنے شہر واپس پہنچا تو شام ہو رہی تھی۔ میں نے قافلے والوں سے کہا کہ ہم آج شہر میں داخل نہ ہوں۔ کل جب ہم پوری شان و شوکت سے شہر میں داخل ہوں گے تو لوگ ہمیں دیکھیں گے کہ مختلف ملکوں کی کیسی نادر اور بیش قیمت چیزیں ہم لائے ہیں۔ اسی طرح ہمارے سامان کی اچھی نمائش ہوگی اور ہمیں دام بھی اچھے ملیں گے۔ قافلے والوں کو میری بات پسند آئی اور سب نے شہر کے باہر ڈیرا ڈال دیا۔ مگر ابھی رات کا ایک پہر بھی نہ گیا ہوگا کہ گھر کے لوگوں کو دیکھنے کے لیے میرا من تڑپنے لگا دل کے ہاتھوں مجبور میں اکیلا ہی شہر میں داخل ہوا۔ جب میں اپنے مکان کے نزدیک آیا تو میں نے دیکھا کہ دیوان خانہ روشن ہے۔ میں نے جھانکا۔ میری بیوی ایک نوجوان لڑکے سے بات کر رہی تھی اور اسے اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا بنا کر کھلا رہی تھی ساتھ ہی پنکھا بھی جھل رہی تھی۔ یہ اجنبی کون ہے میں نے سوچا۔ مجھے اپنی بیوی پر اور ماں پر بہت غصہ آیا کہ انھوں نے میری غیر موجودگی میں ایک اجنبی کو گھر میں آنے دیا۔ غصہ میں میری عقل جاتی رہی

اور میں نے اپنی ماں، بیوی اور اس نوجوان کو قتل کر دیا اور خاموشی سے واپس چلا آیا۔

اگلے روز ہم شہر میں داخل ہوئے۔ جب میں اپنی حویلی کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ لوگ جمع ہیں اور افسوس کر رہے ہیں۔ میرے واقف کاروں نے بتایا کہ کسی نے بڑی بے دردی سے ایک خاندان کی تین نسلوں کو ختم کر دیا ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ جس اجنبی کو میں نے قتل کیا وہ میرا ہی بیٹا تھا۔ جب میں سفر پر نکلا تھا تو میری بیوی امید سے تھی لیکن اس کا ذکر مجھ سے نہیں کیا تھا۔ اب میرے صدمے کی انتہا نہ رہی۔ میں نے اپنی ہی عزیزوں، پیاروں کو ختم کر دیا۔ میری تمام دولت چلی گئی۔ میں نے لہار کا کام اختیار کر لیا لیکن جب میں ہتھوڑا اٹھاتا ہوں تو میری ماں سامنے آکر کھڑی ہو جاتی کہ بیٹا کیا میں نے اسی دن کو۔ لیے تمہیں پال پوس کر بڑا کیا تھا۔ بیوی کہتی ہے کہ سولہ سال میں کوئی ایسا دن نہ گزرا جب میں نے آپ کو یاد نہ کیا ہو لیکن آپ آئے تو میرے قاتل کے روپ میں آئے۔ بچہ کہتا ہے کہ بابا ابھی تو میں نے دنیا بھی نہیں دیکھی تھی۔ کیا کیا امنگیں تھیں میری۔ آپ نے مجھے ختم کر دیا آخر کیا قصور تھا میرا۔ بس ایسے ہی منظر میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں اور میں سر پر ہتھوڑا دے مارتا ہوں۔ اب مجھ سے یہ درد سہا نہیں جاتا۔ تم اپنی تلوار نکالو اور میرا سر تن سے جدا کر دو۔

حاتم نے کہا "یہ مصیبت خود تمہاری لائی ہوئی ہے۔ میں کیوں گنہ گار ہوں"، اتنا کہہ کر وہ وہاں سے اسقفی کے پاس گیا اور اسے سارا واقعہ سنا کر کہا کہ اب تم اپنا راز بتاؤ۔ اس نے کہا "حاتم میں یہاں مسجد کے سایے میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ایک بہت بڑا پرندہ دیکھا جو مینار پر آکر بیٹھ گیا۔ میں دوڑتا ہوا گیا اور پرندے کا ایک پیر پکڑ لیا۔ اسی وقت وہ پرندہ اڑا۔ مارے خوف کے میں نے اس کے پیر مضبوطی سے پکڑ لیے۔

کچھ دیر بعد میں نے نیچے دیکھا تو مکان، مسجد کے مینار انسان سب چھوٹے چھوٹے سے لگ رہے تھے جیسے کھلونے۔ پھر سب میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

پرندہ مجھے لے کر ایک بڑے محل پر اترا۔ میں اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک بڑے سے ہال میں ایک بہت بڑی میز رکھی ہے اور اس پر چالیس رکابیاں، تشتریاں اور پیالے رکھے ہوئے ہیں جن میں طرح طرح کے کھانے اور پینے کی چیزیں ہیں۔ گرم گرم بھاپ تشتریوں سے نکل رہی ہے۔ میں بھوکا تو تھا ہی۔ ہر رکابی سے تھوڑا تھوڑا کھاتا گیا۔ یہاں تک کہ میرا پیٹ بھر گیا اور پھر بھی ایک پلیٹ باقی رہ گئی۔ اس کے بعد مجھے پروں کے سرسرانے کی آواز آئی۔ اور میں چھپ گیا۔ چالیس پرندے آکر میز پر بیٹھے جن میں سے ہر ایک اس پرندے سے مشابہ تھا جس سے لٹک کر میں آیا تھا جب پرندوں نے دیکھا کہ ان کی پلیٹ میں سے کسی نے تھوڑا سا کھایا ہے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا جس نے ہماری پلیٹ میں سے کھایا ہے وہ ہی ہمارا جیون ساتھی ہوگا۔ یہ پرندے دراصل ایک جن کی چالیس لڑکیاں تھیں۔ جادو کے زور سے انھیں پرندہ بنا دیا گیا تھا۔ جس پلیٹ سے میں نے نہیں چکھا تھا وہ رونے لگا۔ اس نے کہا میں اس سے شادی نہیں کر سکتا جس نے میری رکابی میں سے نہیں کھایا۔ پرندے سورج ڈھلنے کے بعد اپنی اصل شکل میں آجاتے تھے۔ اب میں ان انتالیس لڑکیوں کے ساتھ ٹھاٹ سے رہنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا۔ پھر شیطان نے مجھے اکسایا کہ تم چالیسویں لڑکی سے بھی شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ میں نے اس سے اپنا مدعا بیان کیا۔ اس نے غصہ میں اپنے پر پھڑپھڑائے۔ اور میں نے دیکھا کہ میں یہیں مسجد کے سایے میں بیٹھا ہوا ہوں۔ بس تبھی سے میری یہ حالت ہو گئی ہے۔ اب تو میں اس زندگی سے تنگ آچکا ہوں۔ تم اپنی تلوار نکالو اور میرا تن سے

جدا کر دو۔

حاتم نے کہا یہ سب تمہارے لالچ کا نتیجہ ہے۔ اب تم ہی بھگتو۔ میں کیوں اپنی تلوار کو تمہارے خون سے داغدار کروں۔ اسے چھوڑ کر وہ حسن السراج کے پاس پہنچا اور اسے یوسف اسقفی کا قصہ سنایا۔ اور اس سے کہا کہ اب تم اپنا راز بیان کرو۔ اس نے کہا میرے ماں باپ بہت مالدار تھے اور مجھے بہت چاہتے تھے۔ جب میں شادی کے لائق ہوا تو انھوں نے میری شادی طے کی۔ بہت دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ مگر شادی کی رات میری آنکھ لگ گئی آنکھ کھلی تو میں نے خود کو یہاں پایا۔ تب سے وہ صورت میری آنکھوں میں پھرتی رہتی ہے۔ جب میں کسی کی زین بناتا ہوں تو اس کی شکل کو سلائی کے ڈزائن میں منتقل کر دیتا ہوں پھر مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میرے محبوب کا نقش کسی اور کے پاس جا رہا ہے اور میں اسے واپس لے کر زین کو کاٹ ڈالتا ہوں۔ مگر اب مجھ میں جینے کی سکت نہیں رہ گئی تم اپنی تلوار نکالو اور میرا سر تن سے جدا کر دو۔

اب حاتم طائی نے جانا کہ یہ وہی حسن ہے جس کی تلاش میں وہ نکلا تھا۔ اس نے حسن سے کہا کہ میں تمھیں تمھارے شہر لے چلتا ہوں۔ اب تم سفر کی تیاری کر دو۔ تمھارے ماں باپ تمھاری راہ دیکھ رہے ہیں۔

حاتم طائی اور حسن حویلی پہنچے اور وہاں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ ماں باپ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ حسن کو منہ مانگی مراد ملی بیوی کو شوہر۔ حاتم طائی جس کی سخاوت کا سارے جہاں میں چرچا ہے دونوں کو مبارک باد دے کر اپنے مقام کو کوچ کر گیا

(عراق کی عوامی کہانی)

سچ
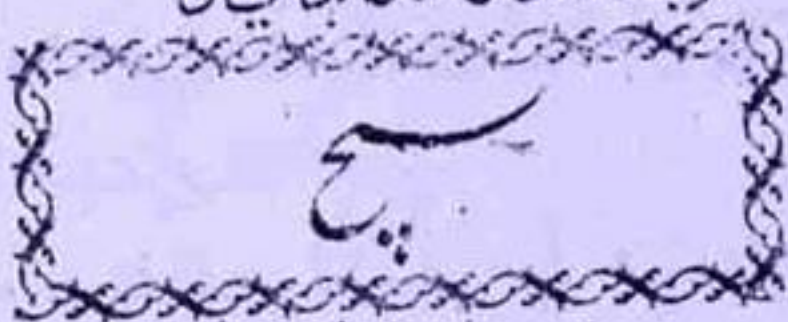
ایک بادشاہ نے اعلان کروایا کہ جو شخص بھی جھوٹ بولتا ہوا پایا گیا اس پر پانچ دینار جرمانہ کیا جائے گا۔ لوگ ایک دوسرے کے سایے سے بھی بھاگنے لگے کہ کہیں جھوٹ بولتے ہوئے نہ دھر لیے جائیں۔ بادشاہ اور وزیر دونوں بھیس بدل کر شہر میں گھوم رہے تھے۔ ایک تاجر کے پاس وہ دم لینے کو رکے۔ اس نے انھیں کافی پلائی۔ وہ غپ شپ میں مصروف ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا: "آپ کی عمر کیا ہے؟"

"بیس سال" تاجر نے جواب دیا۔

"آپ کے پاس کتنی دولت ہوگی"

"ستر ہزار"

"آپ کے لڑکے کتنے ہیں" بادشاہ نے پوچھا۔

"ایک" بوڑھے نے جواب دیا۔

واپس آکر انھوں نے سرکاری دفتر کے اندراجات دیکھے اور تاجر کو طلب کیا۔

"آپ نے اپنی عمر کتنی بتائی"

"بیس سال"

"پانچ دینار جرمانہ ادا کیجیے"

"پہلے آپ میری غلطی تو ثابت کیجیے"

"سرکاری دفتر میں آپ کی عمر ۶۵ سال درج ہے"

"جناب میری زندگی میں بیس سال ہی سکھ چین سے گزرے ہیں۔ اسی کو میں اپنی عمر سمجھتا ہوں"

"پھر آپ کا اس بے شمار دولت کے متعلق کیا خیال ہے۔ جبکہ آپ صرف ستر ہزار بتا رہے ہیں۔"

"ستر ہزار روپے میں نے ایک مسجد کی تعمیر میں خرچ کیے ہیں اور میں اسے ہی اپنی دولت سمجھتا ہوں۔"

"اور بچے ؟ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق آپ کے پانچ بچے ہیں۔"

"جناب چار بچے نالائق نکل گئے۔ شرابی، جواری، بداخلاق۔ بس ایک بچہ ہے جس کا کردار پسندیدہ ہے۔ بس اسی کو میں اپنی اولاد سمجھتا ہوں۔"

"ہم تمہارے جوابات سے خوش ہوئے۔" بادشاہ نے کہا۔ وقت وہی شمار کرنے کے لائق ہے جو ہنسی خوشی گزر جائے۔ دولت وہی گننے کے لائق ہے جو راہ خدا میں خرچ ہو۔ اور بچہ وہی قابل ذکر ہے جس میں نیک اور پسندیدہ عادتیں ہوں۔

(ملک شام کی عوامی کہانی)

پیارا ہرن

ایک بدو اپنے بیٹے کے ساتھ اونٹنی چرا رہا تھا کہ ہرنوں کا ایک غول اسے دوڑتا نظر آیا۔ بدو نے اپنے بچے کو ایک جگہ سایے میں بٹھایا اور تاکید کی کہ میرے لوٹنے تک یہیں رہنا۔ یہاں سے مت ہٹنا۔ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اس نے ہرنوں کا پیچھا کیا۔ ہرنوں کے غول نے اسے پیچھا کرتے دیکھا تو چوکڑیاں بھرنے لگے۔ بدو خود بھی شکار کا شوقین تھا اسے مزہ آتا تھا۔ وہ دور تک ان کا پیچھا کرتا چلا گیا۔

ادھر چار پانچ سال کا یہ بچہ اکیلا اپنے باپ کا انتظار کر رہا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک بھوتنی کا وہاں سے گزر ہوا۔ اسے انسانی گوشت بہت پسند تھا

اس نے بچے کو اکیلا دیکھا تو بہت خوش ہوئی اور اسے نگل گئی۔

بدّو دیر تک ہرنوں کا پیچھا کرتا رہا۔ مگر ایک بھی ہرن اس کے ہاتھ نہیں لگا۔ آخر ناامید ہو کر وہ لوٹا۔ اونٹنی تو اسے گھاس چرتی نظر آئی مگر بچہ دکھائی نہیں دیا۔ وہ بچے کو تلاش کرنے لگا۔ تلاش کرتے ہوئے اسے خون کے چند قطرے ایک جگہ ملے۔ اس کا دل بھر آیا اور وہ رونے لگا۔

"میرے بیٹے تجھے کس نے مار ڈالا"

اونٹنی کو لے کر وہ بہت ہی اداس گھر لوٹ رہا تھا کہ راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک غار میں ایک بھتنی رقص کر رہی ہے اور بہت خوش نظر آتی ہے۔ اس نے سوچا یہ ضرور اسی کا کام ہوگا۔ اس نے بہت سنبھال کر تیر سے اس کا نشانہ لیا اور اس کی طرف چھوڑ دیا۔ تیر سینے میں پیوست ہوگیا وہ زمین پر گری اور اس کی جان نکل گئی۔ بدّو نے اس کا پیٹ چاک کیا تو اندر سے اس کا بچہ برآمد ہوا۔ اسے کپڑے میں لپیٹا۔ اس پر اونی کپڑا ڈالا اور گھر لے آیا۔

خیمے کے باہر سے ہی اس نے بیوی کو آواز دے کر کہا میں ایک ہرنی کا بچہ تمہارے لیے لایا ہوں مگر یہ صرف اسی پتیلی میں پک سکتا ہے جس میں زیارت کا کھانا نہ پکا ہو۔

بدّو کی عورت پاس کے خیمہ میں گئی اور پتیلی مانگی۔ اس نے کہا بہن پتیلی تو میرے پاس ہے مگر اس میں اپنے شوہر کی زیارت کا کھانا پکا چکی ہوں۔ وہ دوسرے خیمے پر گئی اس نے کہا کہ ہم اپنے بیٹے کے سوگ کا کھانا اسی پتیلی میں پکایا تھا۔ غرض وہ اسی طرح ایک ایک خیمے پر جاتی رہی مگر کہیں اس کی مراد پوری نہ ہوئی۔ ناچار اسے لوٹنا پڑا۔

اسے بدّو نے خالی ہاتھ واپس آتے دیکھا تو پوچھا۔

"کیا بات ہے پتیلی نہیں ملی؟"

بدو کی عورت نے کہا کوئی گھر ایسا نہیں جس میں موگ کا کھانا نہ پکا ہو۔

بدو نے اونی کپڑا اٹھایا اور کہا "ہر گھر کسی نہ کسی کے دکھ کا ذائقہ چکھ چکا ہے۔ آج ہماری باری ہے۔ یہ میرا پیارا ہرن ہے۔ اسے سنبھال کر لے جاؤ۔ دنیا دکھ کا گھر ہے مگر اللہ جسے پیار کرتا ہے۔ اسے اپنے پاس بلا لیتا ہے۔"

(سعودی عرب)

صحرا کا موتی

علی اپنے خالو شیخ حمید کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ انھوں نے وقت گذاری کے لیے کہانی شروع کی۔ علی کو کہانی سننے کا بہت شوق تھا اور شیخ حمید داستان سرائی کے لیے مشہور۔ علی بہت غور سے کہانی سن رہا تھا ایک بار اس کی نظر ہٹی تو اچانک ریت میں اسے کوئی چیز چمکتی نظر آئی۔ علی کا جی تو بہت چاہا کہ جا کر دیکھے کہ وہ کیا چیز ہے مگر خالو کو بیچ میں ٹوکنا بے ادبی سمجھ کر وہ خاموش رہا۔ اور اپنا نیزہ نکال کر اس نے ہاتھ میں لے لیا۔ صحرا میں جہاں سے وہ گزر رہے تھے نیزے سے وہ نشان بناتا چلا گیا۔

جب وہ اپنے خیموں پر آئے تو شیخ حمید تو اپنے خیمے میں چلے گئے۔ علی اپنے گھوڑے سے نہیں اترا۔ اس نے اپنی ماں سے کہا کہ اس کے متعلق کوئی دریافت کرے تو کہہ دینا کہ وہ سو رہا ہے۔ پھر اس نے گھوڑے کی باگ موڑی اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے نیزوں کے نشان کی مدد سے وہ اس جگہ پہنچا تو اسے سونے کا ایک کنگن پڑا ہوا

نظر آیا۔ کنگن پر موتی جڑے ہوئے تھے۔ اور اعلا درجے کا کام کیا ہوا تھا۔ یہ یقیناً کسی اعلا خاندان کی لڑکی کا ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے سوچا۔
علی کنگن لے کر واپس آیا تو اس کی ماں نے کہا کہ شیخ حمید دو بار اسے یاد کر چکے ہیں۔ علی کنگن لے کر شیخ حمید کے پاس پہنچا ان کے پاس کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور غپ شپ چل رہی تھی۔ علی نے کنگن شیخ حمید کے ہاتھ میں دیا۔ شیخ حمید نے بہت غور سے کنگن کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا کہ یہ کسی ماہر کاریگر کا کام ہے۔ تمھیں یہ کہاں سے ملا۔
علی نے انھیں تفصیل سے بتایا کہ اسے کنگن کیسے ملا۔
"جس شخص کا یہ کنگن ہے وہ کوئی معمولی شخص ہرگز نہیں ہو سکتا" شیخ حمید نے کہا۔ "چلو اسے تلاش کریں"
انھوں نے قبیلے کی دائی کو بلا کر اسے کنگن دیا اور کہا کہ وہ تمام خیموں میں جا کر تلاش کرے کہ یہ کنگن کس کا ہے۔ وہ شخص کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے خیمے کہاں لگتے ہیں۔
دائی کنگن لے کر تلاش میں نکلی اور ایک خیمے سے دوسرے خیمے کا چکّر لگانے لگی۔ اس نے بہت سارے قبیلے چھان مارے۔ یہاں تک کہ تلاش کرتے کرتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں بہت سارے سیاہ خیمے تنے تھے۔ ان میں ایک خیمہ بہت بڑا تھا اور آٹھ بانسوں پر لگایا گیا تھا۔ ایک نوجوان عورت نے اس کا استقبال کیا۔ عورت بہت خوبصورت تھی۔ اس کی جلد بلورین شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔ اور چہرے کی دمک کے آگے چاند بھی ماند نظر آتا تھا۔
دائی نے کچھ دیر آرام کیا دم لینے اور پانی پینے کے بعد اپنا رومال کھول کر کنگن دکھایا۔ نوجوان عورت نے الٹ پلٹ کر کنگن کو دیکھا اور کہا یہ تو میرا ہی ہے اپنے صندوق سے اس کا جوڑ نکال کر دائی کو دکھایا۔ دونوں میں

رتی برابر بھی فرق نہ تھا۔ دائی نے اس سے کہا کہ تم یہ کنگن رکھ لو کیوں کہ یہ تمہارا ہے۔

اس نوجوان عورت نے کہا، اماں آپ کو بہت زحمت ہوئی اسے آپ ہی رکھ لیں اور یہ دوسرا بھی کیوں کہ اس کے بغیر وہ بے کار ہے۔ دائی نے اس سے اس کے قبیلے کا نام، اس کا نام اور دوسری ضروری باتیں پوچھیں اور پھر اپنے قبیلے کی طرف واپس چلی۔

جب وہ شیخ حمید کے خیمے میں واپس آئی تو وہ اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ دائی نے دونوں کنگن انھیں دکھائے۔ اور لڑکی کی بہت تعریف کی۔ شیخ حمید نے سوچا کہ جو لڑکی اس قدر فیاض اور خوبصورت ہے یقیناً کسی معمولی گھرانے کی نہیں ہو سکتی۔ ضرور وہ کوئی غیر معمولی خاتون ہے۔ انھوں نے اپنے قبیلے کے معزز افراد اور علی کو ساتھ میں لیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس سمت چلے جہاں دور سیاہ خیمے تنے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

سیاہ خیموں پر ان کا شاندار استقبال ہوا۔ ان کے پہنچتے ہی گھوڑوں کو چارا دیا گیا۔ عورتوں نے مہمان خیمے میں چٹائیاں بچھا دیں۔ بھیڑیں اور اونٹ کے بچے کھانے کے لیے ذبح کیے گئے۔ تین دن تک دعوتیں چلتی رہیں۔ چوتھے دن امیر نے جو لڑکی کا باپ تھا ان کی آمد کا مقصد دریافت کیا۔ شیخ حمید نے کنگن کی کہانی سنائی اور پھر کہا میں نے سوچا ہے کہ یہ سونے کا کنگن جس کی ملکیت ہے، جو اس قدر فیاض ہے اور خوبصورت ہے وہ خود کس قدر دل کش شخصیت کی مالک ہوگی۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

لڑکی کے باپ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا کہ خواہش کرنا تو بہت آسان ہے۔ مگر ایک باپ کے لیے اس کی بیٹی بہت بیش قیمت ہوتی ہے۔ لیکن آپ میرے مہمان ہیں۔ اور مہمان کو مایوس کرنا عربوں کی روایت کے خلاف

ہے۔ اور پھر آپ جیسا اعلا مرتبہ کا مہمان۔ میری گردن آپ کے لیے حاضر ہے۔
لڑکی کو دُلھن بنایا گیا۔ ستّر اونٹ قالینوں، چادروں، تکیوں اور ملبوسات سے لدے ہوئے ایک کنیز اور ایک غلام خدمت کے لیے دیے گئے۔

جب وہ رخصت ہونے لگے تو لڑکی کے باپ نے شیخ حمید کو بوسہ دیا اور کہا خدا کرے دلھن آپ کے لیے مبارک ثابت ہو۔"
شیخ حمید اپنے قبیلے میں واپس آئے تو دلھن اور ستّر اونٹوں کے قافلے کو دیکھ کر عورتوں نے خوشی سے کلکلیں مارنی شروع کیں اور شادی کے گیت گانے لگیں۔ شیخ حمید نے علی کو بلایا اور کہا کہ تمھاری دُلھن شادی کے خیمے میں ہے۔ اور آنکھوں میں کاجل سمائے تمھارا انتظار کر رہی ہے۔
علی نے کہا" یہ کیسے ممکن ہے۔ اسے آپ نے تلاش کیا اور اس کے باپ سے آپ نے دُلھن کا ہاتھ طلب کیا۔"
شیخ حمید نے علی کی ایک نہ سنی۔ انھوں نے شادی کی عبا علی کے کاندھوں پر ڈالی اور کہا ,, کنگن تمھیں ملا تھا اور دُلھن بھی تمھیں ہی ملنا چاہیے۔ اب تم دیر نہ کرو۔ اور دُلھن کے خیمے کی طرف بڑھو۔"
علی خیمے کی طرف چلا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ ایک شخص اس کے پیروں پر گر پڑا۔ اور اس کے پیر چومتے ہوئے کہا" مجھے مہمان ہونے کا شرف عطا کرو شیخ حمید۔"
شادی کی عبا کی وجہ سے وہ علی کو شیخ حمید سمجھا۔
علی نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اور کہاں سے آیا ہے۔
"جس لڑکی سے آپ کی شادی ہوئی ہے وہ میری چچازاد بہن ہے۔" اس نوجوان نے کہا۔ اس سے میری شادی طے تھی۔ آپ ایک مہمان کی حیثیت سے میرے چچا کے خیمے پر آئے اور لڑکی کا ہاتھ طلب کیا اس لیے

وہ انکار نہ کر پائے۔"

علی نے اپنے چچا کی دی ہوئی عبا اتار کر اسے پہنائی اور کہا نوجوان اس لڑکی پر تمہارا ہی حق ہے۔ خدا تمھیں دُلھن مبارک کرے۔

اگلے روز شیخ حمید نے علی کو روزمرہ کے معمولی لباس میں دیکھا تو انھیں تعجب ہوا۔ انھوں نے علی سے کہا کیا بات ہے۔ کیا تم دولھا نہیں ہو؟۔

علی نے انھیں نوجوان کے متعلق بتایا۔ شیخ حمید بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا شاباش شریفانہ اخلاق اسی کا نام ہے۔

شیخ حمید نے دُلھن کے ستر اونٹوں میں اپنے ستر اونٹ اور شامل کیے اور انھیں بیش قیمت تحفے دیے۔ نوجوان اور اس کی دُلھن کو خوشی کے نعروں اور اُمنگوں کے ساتھ رخصت کیا۔

(مراکش کی عوامی کہانی)

Arab Desaon Ki Awami Kahaniyan
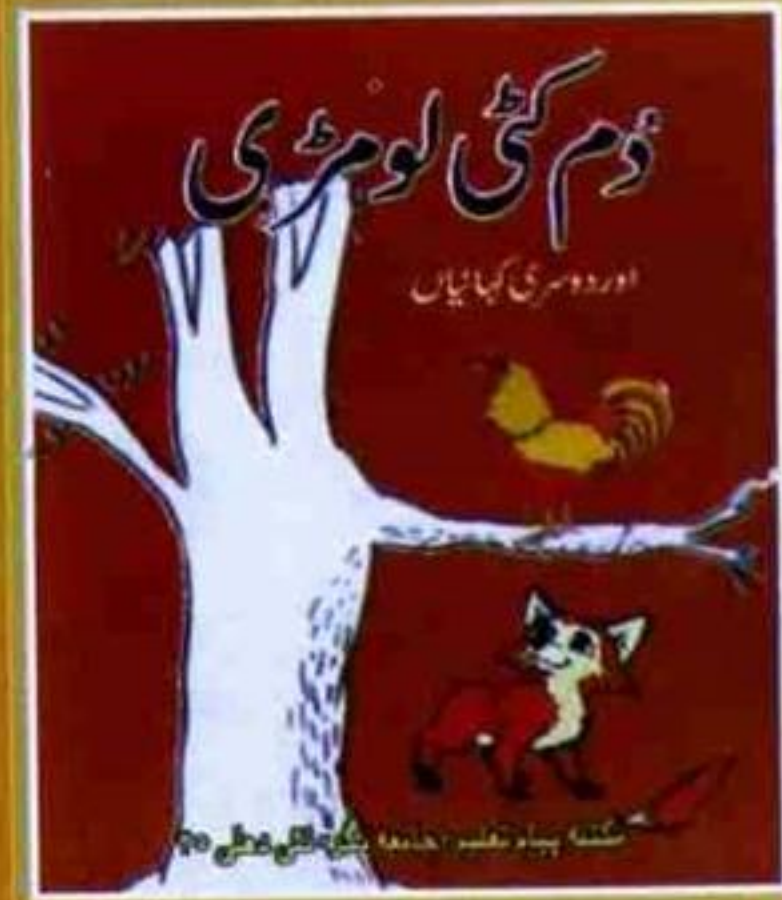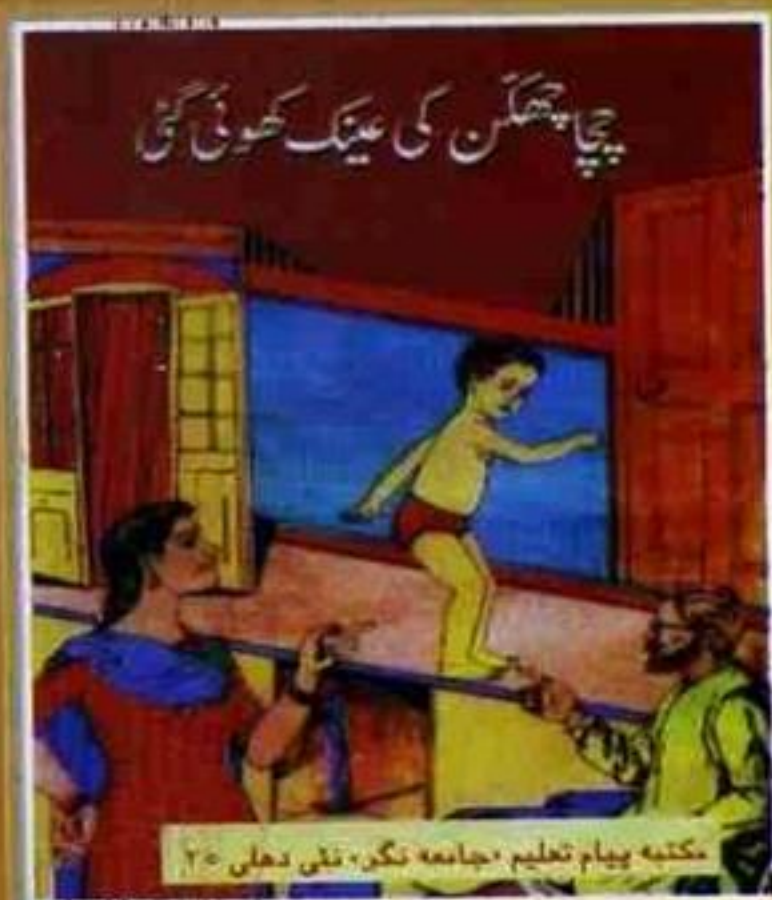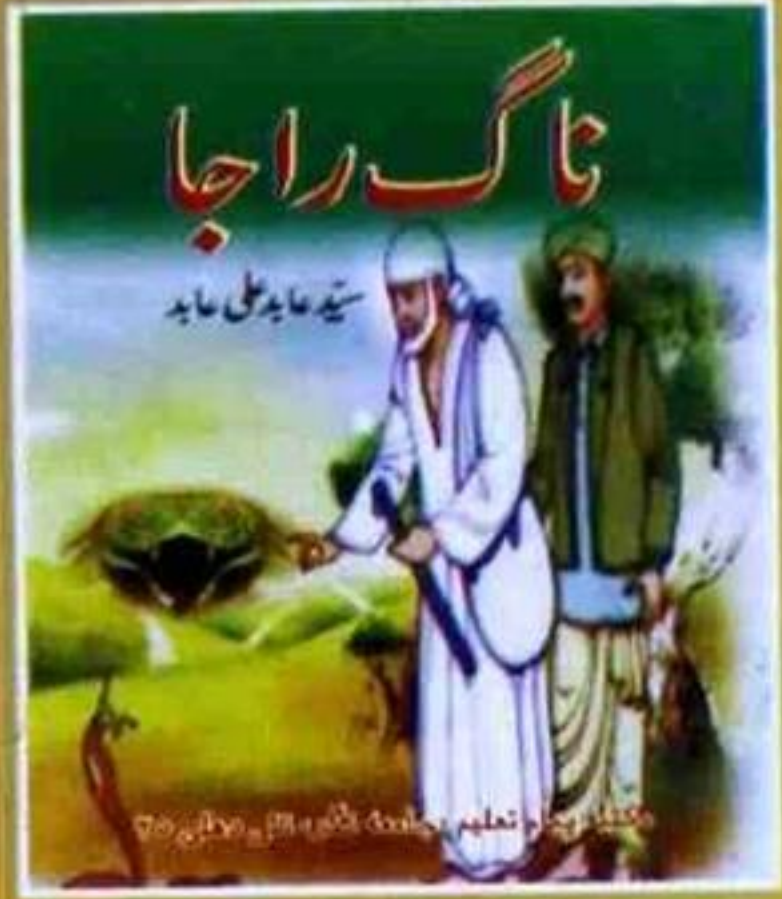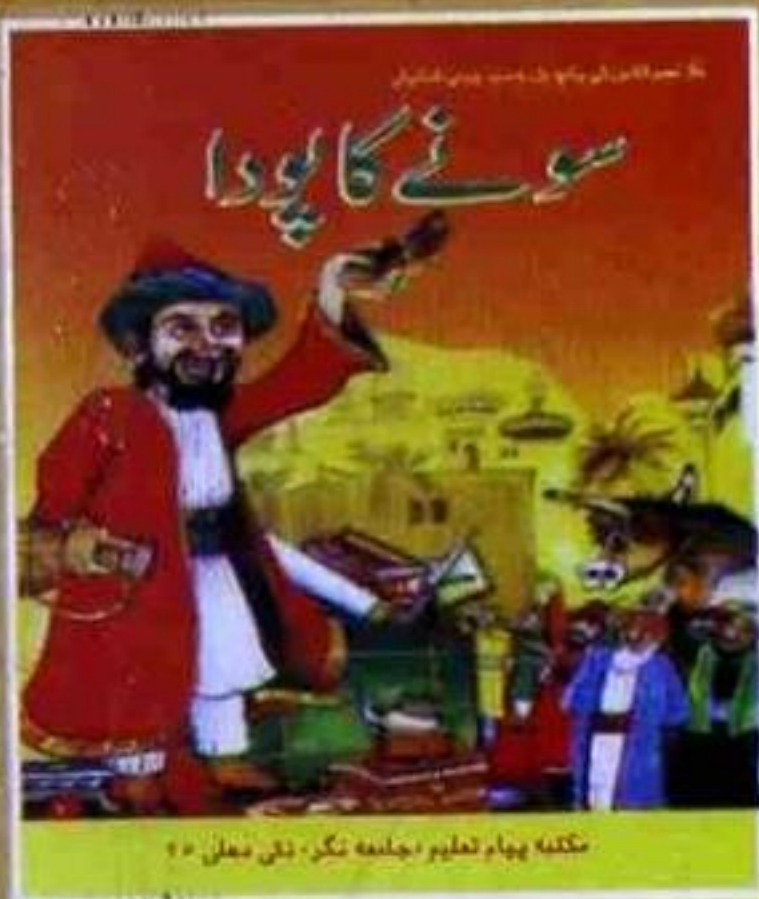
MAKTABA PAYAM-I-TALEEM

JAMIA NAGAR, NEW DELHI - 110025